کتاب و سنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا علمبردار
ماہنامہ
اشرف الجرائد
حیدرآباد
Volume:12 Issue:8 August 2019
مدیر
مولانا محمد عبدالقوی
ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

موجودہ حالات مکی دور کے تناظر میں

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ (سورۃ الحجر)

ترجمہ: یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں ان سے تمہارا دل تنگ ہوجاتا ہے، (تو اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل ہوجاؤ، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔

تشریح: مکی دور ہے، حالات نا مساعد ہیں، زمین اپنی وسعتوں کے باجود تنگ ہے، غیر تو دشمن ٹھہرے اپنے بھی بیگانے ہیں، معاشرتی واقتصادی پابندیاں، قتل وجلاوطن کرنے کی منصوبہ بندیاں، آپ کی قد آور شخصیت کو بے حیثیت بنانے کی ناپاک مکاریاں، آپ کے پیغام حق کو کمزور کرنے کی دسیسہ کاریاں۔ یہ ماحول اس ذات کے اردگرد کا ہے جس کے اخلاق سے ساری قوم متاثر، جس کے گفتار وکردار سے سب متفق، جس کے عادل ہونے کا سب کو یقین۔ غرض ان سب فضائل وکمالات کے اعتراف کے باوجود دیدہ ودانستہ طعنے مارنا، جملے کسنا ہر سلیم الطبع ونرم دل انسان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتا ہے، کشادہ ظرفی کے باوجود اس کے سینہ کو تنگ کردیتا ہے یہی کچھ صورتحال نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آئی تھوڑی دیر کے لئے ہم تصور میں گم ہوکر غور کرسکتے ہیں کہ جو ہستی اپنی امت کے لئے سراپا مخلص ہو، جس کی محبت بے لوث ہو، جس کی شفقت بے غرض ہو، جو دعاؤں میں اپنی اولاد سے زیادہ اپنی امت کو یاد کرتا ہو، جو امت سے ملنے والی ہر اذیت کو برداشت کرکے بددعا کو روا نہ سمجھتا ہو، ان کی ہدایت کی دعا مانگتا ہو اگر ایسی ہستی کا دل تنگ ہوتا ہے تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

بدمعاشوں کی زبانی قینچیوں نے آپ کا دل کتنا چیرا ہوگا ، بے توفیقوں کے منصوبوں نے آپ کے دل ودماغ پر کتنے گہرے نقوش چھوڑے ہوں گے یہی سبب ہے کہ عرش والے کو بھی ترس آیا اور اس نے اس گھٹن کا یہ علاج تجویز کیا کہ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہیے اور اس وقت تک مصروف عبادت رہیے تا آنکہ وہ وقتِ واپسیں آجائے۔

یہ مقام غور ہے کہ مرض کیا ہے؟ درماں کیا ہے؟ سطحی ذہن میں یہ جواب آسکتا ہے اس مرض کا علاج تو تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نبی پاک ﷺ کو حکم دیتے کہ آپ دشمنوں کا تعاقب کیجئے ، اینٹ کا جواب پتھر سے دیجئے ، پورے زور بازو سے اس دھرتی کو ان کافروں سے پاک کیجئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت کو یہ منظور تھا کہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اسباب کی وساطت سے کامیاب وکامران کرنا ہے ، لہٰذا ابھی ان مصائب وآلام کا علاج تو تسبیح وتحمید اور اپنے رب کی سچی بندگی میں ، اسی سے تعلق خاص پیدا کرنے میں ہے ، اور یہ حکیم مربی ذات کی جانب سے صحابہ کرامؓ کی تربیت کا ایک حصہ تھا ویسے تو اللہ تعالیٰ نے خالص کفر کے زمانہ میں اپنی کمزور مخلوق ''ابابیل'' سے اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیا تھا۔ ایسی مثالیں بہت ساری ہیں اگر اللہ چاہتا تو مکی دور میں آپ کی اور آپ کے اصحابؓ کی قلبی تسکین کا سامان پیدا کرتا لیکن علاج تسبیح وتحمید اور عبدیت کاملہ مستمرہ تجویز ہوا۔ یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ قیامت تک کبھی کسی دور میں مسلمانوں پر ناگفتہ بہ حالات آجائیں ان کی کمزوری کی وجہ سے ان کا ہر زاویہ سے استحصال کیا جانے لگے پوری ملت کفران کو لقمہ تر سمجھنے لگے تو یہی تسبیح وتحمید اور عبدیت کاملہ کا نسخہ ان کے لئے اکسیر ثابت ہو۔

آج ہم خوف وہراس کے ماحول میں جی رہے ہیں کوئی ہم کو اپنا نظر نہیں آتا جو اپنے ہیں وہ بے دست وپا ہیں ایک مخصوص ذہنیت والی لابی ہمیں یرغمال بنانے میں کوشاں ہے ، اسلام اور اہل اسلام پر یورشی یلغار ہے ، اس بے بسی وبے کسی کے تناظر میں اس نکبت وذلت اور غیر شعوری پن سے نکلنے کی کوئی راہ ہم تلاش کریں تو سب سے اچھی راہنمائی نبی پاک ﷺ کی مکی دور کی ملتی ہے کہ قلب وزباں پر تسبیح وتحمید اور خدا تعالیٰ سے تعلق خاص دوسری طرف اپنے عمدہ اخلاق وکردار کا مظاہرہ ، کیوں کہ یہی وہ ہتھیار ہے جس سے دلوں کو فتح کیا جاسکتا ہے ، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ظلم کرنا انسانیت کے خلاف ہے ، اسی طرح ظلم برداشت کرنا بھی انسانیت کے خلاف ہے ، مگر اس حقیقت سے بڑھ کر ایک اور حقیقت ہے کہ پہلے ہم سچے انسان بنیں ، سچا انسان وہی کہلاتا ہے کہ جس میں انسانیت ہو اور انسانیت پیدا ہوتی ہے عبدیت کاملہ اور کامل دیندار بننے سے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو مؤمن کامل بنائے اور ان بدترین حالات میں ہماری دستگیری فرمائے۔ آمین

میزانِ عمل میں سب سے بھاری عمل!

مولانا خواجہ نصیرالدین قاسمی*

عَنْ اَبِیْ الدَّرْداءِ رضی اللہ عنہ : أنَّ النَّبِیَ صلی اللہ علیہ وسلم : قَالَ مَامِنْ شیئیٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ العَبْدِ المؤمِنِ یَوْمَ القِیمۃِ مِنْ حُسْنِ الخلُقِ وَاِنَّ اللّٰہ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبُذِیَّ.(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز بندۂ مومن کے ترازو کو سب سے زیادہ بھاری کرنے والی چیز اچھے اخلاق ہیں، اور اللہ تعالیٰ فُحش گو اور بد اخلاق کو پسند نہیں فرماتے۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت ابوالدرداءؓ عویمر بن زید بن قیس، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے انصاری صحابی ہیں، جو کبارِ صحابہؓ میں سے ہیں، غزوۂ بدر کے موقعہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، نہایت عبادت گذار، شب زندہ دار صحابہ میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز میزانِ عمل کی ترازو قائم ہوگی جس کا پلڑا بھاری ہوگا وہ خوش عیش جنت کا مستحق ہوگا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دہکتی دوزخ میں گرے گا۔ دنیا میں کئے جانے والے اعمالِ خیر وشر کا صلہ اور بدلہ قیامت کے دن ملنا ہماری ایمانیات کا حصہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار میزان عمل کو پُر کرنے والے اعمال کی طرف توجہ مبذول فرمائی مثلاً سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم کی تسبیح کو میزان عمل کے لئے ثقیل بتلایا، ایک روایت میں ہے کہ روز محشر ایک شخص کو لایا جائے گا اس کے گناہوں کے ۹۹ دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ چھوٹی سی چٹھی ایک پلڑے میں رکھی جائے گی تو گناہوں کے دفاتر والا پلڑا ہلکا ہوجائے گا اور چٹھی والا پلڑا بھاری ہوجائے گا، اور اس چٹھی کو کھولا جائے گا اس میں لکھا ہوگا لا الہ الا اللہ۔ الغرض مذکورہ بالا اس ارشاد گرامی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

عمل کی طرف توجہ دلائی ہے جو بندۂ مومن کے میزانِ عمل کو سب سے زیادہ بھاری کرنے والا ہے، اور وہ ہے ’’حسنِ اخلاق‘‘، حسنِ اخلاق کے بارے میں ایک روایت میں آیا ہے کہ ’’البر حسن الخلق‘‘ نیکی وہ حسن اخلاق ہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ ایک جگہ فرمایا کہ آدمی اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے مقام کو پالیتا ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ شہادت دیتی ہیں کہ آپ کے اخلاق سراپا قرآن ہیں یعنی جن خوبیوں اور اوصاف کے اختیار کرنے کی قرآن نے تعلیم دی ہے وہ سب آپ میں جمع تھیں اور جن خامیوں اور نقائص سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے آپ کی ذاتِ اقدس ان تمام عیوب سے پاک تھی، اسی لئے قرآن میں خود اللہ پاک نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلقِ عظیم کے حامل ہیں۔

حسن اخلاق کی تشریح وتوضیح میں علماء وحکماء کے مختلف اقوال ہیں، چناں چہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ’’خلق عظیم‘‘ آدابِ قرآن کا نام ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اخلاق کو ’’دین وشریعت‘‘ سے تعبیر فرمایا، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: کہ حسنِ اخلاق، ’’کشادہ روئی، کرم وسخاوت اور ایذا رسانی سے باز رہنا ہے‘‘، حضرت سہلؒ فرماتے ہیں: حسنِ اخلاق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی خلافِ خواہش ومزاج پیش آنے والی باتوں پر تحمل کرے، ظالم سے انتقام نہ لے بلکہ اس کے ساتھ رحم وکرم اور اللہ سے اس کی مغفرت کی دعا کرے، یعنی حسنِ اخلاق سے وہ شخص اچھی عادات سے آراستہ ہو اور بداخلاقیوں سے باز آجائے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ حسن اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ ’’مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے، خالق کے ساتھ ایفائے عہد کرے‘‘ تو معلوم ہوگا کہ حسنِ اخلاق سراسر خیر ہے۔

آگے روایت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدزبان وبداخلاق کو پسند نہیں فرماتے۔ البذی کے معنی ہیں وہ شخص جو اقوال وافعال میں حد اعتدال سے آگے بڑھ جائے، اور یہ بداخلاق آدمی سے ہی ہوتا ہے، بااخلاق سے ایسی توقع نہیں ہوتی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ’’خالق الناس بخلق حسن‘‘ لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ، جب بھی کسی کو کسی سے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو فوراً زبان سے نکلتا ہے کہ یہ بڑا بداخلاق آدمی ہے، خواہ اس نے گالی گلوچ کی ہو، بُرا بھلا کہا ہو، یا کوئی ایسی حرکت کی ہو جس سے دوسروں کو اذیت ہوئی ہو۔

ہر صاحبِ فہم غور کرلے کہ وہ اپنی زبان وبیان، حرکات وسکنات سے اعمال کا وزن گھٹا رہا ہے یا بڑھا رہا ہے، اہل ایمان بالخصوص اہل دین ودیانت کو معاشرت ومعاملات کے باب میں ہمیشہ اس فکر میں رہنا چاہیئے کہ کوئی ایسا فعل زبان وقلم سے نہ نکلے جو کل روزِ محشر خسران کا سبب بنے۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ

پیش گفتار

حکومت کی بڑی فتح وکامیابی

از: مدیر

۲۴؍جولائی کو بدھ کے روز ایوانِ زیریں کے بعد ۳۰؍جولائی کو ایوانِ بالا میں بھی ''طلاقِ ثلاثہ بِل'' ۸۴ کے مقابلے میں ۹۹ ووٹس سے منظور کرلیا گیا، جس کے لئے برسر اقتدار پارٹی گذشتہ چند سال سے مسلسل کوشش کررہی تھی، جس کے تحت ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے والا مسلم شوہر قابلِ سزا جرم کا مرتکب قرار پاچکا ہے، اُسے اس جرم کی پاداش میں جرمانے کے علاوہ تین سال کی جیل بھی کاٹنی ہوگی، لطف یہ ہے کہ یہ طلاق طلاق بھی شمار نہ ہوگی مطلّقہٴ مغلّظہ مثلّثہ بہ دستور اسی کی زوجہ رہے گی، مطلب یہ ہے کہ اس مسئلے میں شریعت ہماری کچھ بھی کہتی ہو، پولس اور عدلیہ تو قانون کے مطابق عمل درآمد کریں گے۔

وزیر قانون روی شنکر نے اس بِل کے مبنی بر انصاف اور قرینِ مصلحت ہونے کے دلائل کے طور پر جو چند امور پیش کئے وہ درجِ ذیل ہیں۔

- اس بِل کا مقصد صنفی وقار انصاف اور مساوات کو یقینی بنانا ہے، سیاست کرنا مقصد نہیں ہے۔
- ۲۰؍سے زیادہ اسلامی ممالک طلاقِ ثلاثہ کی مختلف اقسام کو باقاعدہ بناچکے ہیں۔
- حکومت سمجھتی تھی کہ سپریم کورٹ کے امتناع عائد کرنے کے بعد یہ غیر قانونی عمل بند ہوجائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ فیصلے کے بعد بھی ۵۷۴ مقدمات زیر دوران ہونے کی اطلاع ہے۔
- مسلم مرد جلی ہوئی روٹی پیش کرنے، ترکاری کے لئے پیسے مانگنے، اور شوہر کے فحش ویڈیو فلم تیار کرنے کی مخالفت جیسے معاملوں پر بھی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دیدیتے ہیں، ایسے واقعات منظرعام پر آئے ہیں۔

اس لئے حکومت قانون سازی پر مجبور ہوگئی ہے وغیرہ۔

انہوں نے ایک بیان میں یہ بھی کہا کہ کیا میں (ان مسلم بہنوں کو) فُٹ پاتھوں پر اسی طرح روتا بلکتا چھوڑ دوں؟

بہرحال! تائید و مخالفت میں مختصر مباحث کے بعد بعض ارکان کے واک آؤٹ کر جانے کی بہ دولت یہ بِل راجیہ سبھا میں پاس ہو گیا، اور اب صدر جمہوریہ کی دستخط کے بعد قانون بننے کے لئے تیار ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس بل کے خلاف عدالتِ عُظمیٰ کی کنڈی کھٹکھانے کا اعلان کیا ہے لیکن میڈیا بتلا رہی ہے کہ باقاعدہ اسکارف اور برقعوں سے مزیّن و مرقّع خواتین کا ایک گروہ مارے خوشی کے طبلے بجاتے اور مٹھائیاں بانٹتے ہوئے مسرت و اطمینان کا اظہار کر رہا ہے، اور ایک خاتون نے آگرہ میں اپنے شوہر کے خلاف مقدمہ بھی درج کرا دیا ہے، اس کو ایسا لگ رہا ہے کہ اس بِل سے ایک نئی زندگی ملی ہے، اس کا ماننا ہے کہ وزیر اعظم نے اس بِل کے ذریعہ کوئی قانون نہیں ہم کو طاقت دی ہے، ایسی طاقت جس کو استعمال کر کے ہم ان کو سبق سکھا سکتے ہیں جو عورتوں کو پیروں کی جوتی سمجھتے ہیں، یہ اور اس قسم کے کئی بیانات!

وزیر اعظم اور وزیرِ داخلہ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر بڑے پر جوش انداز میں فتح کا نشان دکھلایا ہے اور اپنے اپنے ٹیوٹر اکاؤنٹ پر کامیابی اور کامرانی کے گیت گائے ہیں (تبصرے لکھے ہیں) جنہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ آر ایس ایس کی اپنی عمر کے ستر سالوں میں اور بی جے پی کی تاریخ کے کارناموں میں اس سے بڑا اور اس سے اچھا کوئی کام نہیں ہوسکا تھا، یہی سرفہرست قابلِ فخر اور لائق داد کام ہے بلکہ انہوں نے طلاقِ ثلاثہ بِل کو راجیہ سبھا میں منظور کروا کے گویا کوئی مُلک فتح کر لیا ہو۔ مثلاً وزیر اعظم نے فرمایا: ''آج تاریخی دن ہے، کروڑوں مسلم ماؤں بہنوں کی جیت ہوئی ہے، اور انہیں عزت سے جینے کا حق ملا ہے، صدیوں سے تین طلاق سے متأثر مسلم خواتین کو آج انصاف ملا ہے''۔ وغیرہ

اس دلچسپی، جلد بازی، اور مسرت و خوشی کو دیکھ کر جو ملک اور اہل ملک کے مسائل کے مقابلے میں نہایت غیر اہم اور کم درجے کے مسئلے ـــــ وہ بھی سچ پوچھو تو غیر آئینی مسئلے ـــــ کے ساتھ برسر اقتدار جماعت نے دِکھایا ہے کئی سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔

- کیا مُلک میں صرف مسلمان عورتیں ہی مظلوم ہیں، غیر مسلم عورتیں اپنے شرابی شوہروں اور بیٹوں کے ظلم سے عاجز آ چکی ہیں، انکا بلکنا، رونا ان قائدین کو نظر نہیں آتا؟ پھر ان کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا جاتا؟
- کیا سب کا ساتھ سب کا وکاس میں مسلم مرد اور اُن کے سنگین مسائل شامل نہیں ہیں؟
- کیا اس بِل کے پاس ہو جانے سے مسلم عورتوں کی مظلومیت کا مسئلہ واقعی حل ہو جائے گا؟

● کیا حکومت اس مسئلے پر عملاً قابو پاسکتی ہے؟ اس لئے کہ جو جرائم کا عادی ہے وہ بچاؤ کی راہیں تلاش کرہی لیتا ہے؟۔

● کیا اس قانون کے بعد بھی مسلم مہیلاؤں کی مظلومیت کا سد باب نہ ہوا تو حکومت مزید سنجیدہ اور مؤثر امداد فراہم کرے گی؟

● اگر اس مسئلے کی طرح مسلم مہیلاؤں کے اور بھی مسائل بلکہ اس سے اہم سامنے لائے جائیں تو حکومت اسی ہم دردی اور تعاون کے جذبے سے آگے بڑھے گی؟

● جب تین کروڑ مسلم عورتوں نے اسلامی قوانین طلاق پر اپنی دستخطوں کے ذریعہ صدر جمہوریہ کے سامنے اطمینان کا اظہار کیا تھا تو خواتین کی اتنی بڑی تعداد کو نظر انداز کیوں کیا گیا؟

● کیا یہ محض مسلم پرسنل لا اور دین پسند علماء کے رسوخ سے مسلم سماج کو آزاد کرانے کا حربہ تو نہیں؟

● کیا یہ ملک میں دستوری مذہبی آزادی کا دروازہ بند کرنے کے عزم کا عملی تجربہ تو نہیں ہے؟

● کیا یہ ملک میں اقلیتوں کو مایوس کرنے اور اکثریت کو خوش کرکے ووٹ بنک محفوظ رکھنے کی حکمتِ عملی تو نہیں؟

یہ اور اس قسم کے بہت سوالات ہیں جو اس مسئلے میں حکومت کی سنجیدگی کو اُن کے دوہرے طرزِ عمل کی روشنی میں مشکوک کرتے ہیں!

رہ گئے حامیوں کے بیانات تو اب تک اس مسئلے میں باوجود مسلکی اختلافات کے بھی اس بِل کے سلسلے میں کسی معتبر عالم اور کسی معروف جماعت نے حکومت کے موقف سے اتفاق نہیں کیا ہے بلکہ وہ سب اس کے نفاذ سے اختلاف رکھتے ہیں، ہاں جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بعض دانشوروں نے ممکن ہے کہ اس کی تائید کی ہو مگر چونکہ وہ حضرات دیگر علوم کے ماہرین ہونے کے باوجود اسلامی قوانین کی روح اور حکمت سے بے خبر ہیں اس لئے معذور ہیں، اب ان کے علاوہ طبلے بجانے والی، بے محابا گھومنے والی، اور دین کے الف بے سے بے خبر عورتیں برقعے پہن کر میڈیا کے سامنے آئی ہیں یا پہنا کر لائی گئی ہیں تو قوانینِ اسلامی کے معاملے میں ان کا وزن کیا ہے؟ البتہ بعض خواتین ایسی بھی ہیں جو واقعی مظلوم اور دُکھی ہیں، اگر اُن کے من نے اس سراب سے دھوکہ کھا کر کچھ راحت حاصل ہونے کی توقع میں اُنھیں حکومت کے ساتھ لا کھڑا کیا ہو تو یقیناً وہ قابلِ توجہ اور لائق ترحُم ہیں۔

خلاصہ یہ کہ چند در چند شبہات وسوالات کے پیچ میں دین میں مداخلت کا یہ تاریخی بِل پاس تو ہوگیا ہے اور

شاید نافذ بھی ہو جائے ، تاہم ہمارے نزدیک مسلمانوں کے عائلی مسائل میں حارج ہونے کی وجہ سے مسلم پرسنل لاء اور آزادیٔ مذہب کی دستوری طمانیت کے خلاف ہے نیز اپنی خامیوں کی وجہ سے مقصد کے حصول کے لئے مؤثر بھی نہیں ہے۔

بِل سے ہٹ کر مسلم سماج میں تیزی سے بڑھتی معاشرتی خرابیوں کا مسئلہ اپنی جگہ قابلِ فکر ضرور ہے، دین سے دوری اور ضروری علم سے محرومی کے سبب ایک نہایت پاکیزہ، باوقار اور انسانیت نواز مذہب کے افراد اخلاقی سطح سے بہت نیچے آتے چلے جارہے ہیں، اسلامی تعلیمات اور نبوی اخلاق کو ساری دنیا بے مثال و بے نظیر مان چکی ہے، انہی تعلیمات کی پابندی نے مسلمانوں کو کیا سے کیا بنادیا تھا، لیکن آج مسلمان بجائے اس کے کہ ان مبارک تعلیمات کو اقوامِ عالم کے سامنے پیش کرتے خود ہی اُن پر عمل سے دور ہو کر بے تہذیب یا فرنگی تہذیب کے دل دادہ ہوتے چلے جارہے ہیں ، اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہر چہار طرف سے مصائب و مسائل کے گھیرے میں گھرتے چلے جانے کے باوجود اپنی روش کو بدلنے اور حالت کو سدھارنے کا بھی کوئی خیال نہیں ہے، رونے کے لئے سب سے بڑی مصیبت تو دراصل ہماری یہ ہے!

اس لئے ضرورت ہے کہ مسلم سماج کے تمام طبقات، جماعتیں اور تحریکیں مل کر معاشرہ کی متفق علیہ برائیوں کے خلاف متحدہ محاذ کھول دیں، اور سب مل کر معاشرتی مظالم سے سماج کو آزاد کرانے کی جدوجہد شروع کردیں، ساتھ ہی ضروریاتِ دین کا شعور اور اجماعی عقائد کا ادراک قوم میں پیدا کرنے کی بھی فکر کریں، تاہم اس کے لئے مسلک کے خول سے باہر آنا ہوگا؛ کیوں کہ قوم ان جھگڑوں سے بیزار ہو چکی ہے؛ مطلب یہ نہیں ہے کہ مسالک و مشارب ختم کردئے جائیں اور نہ یہ ممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ عرصے کے لئے مختلف فیہ مسائل کو اپنے حلقوں تک محدود کرلیا جائے، اپنی درسگاہوں اور اپنی مجلسوں میں اس پر کلام کرلیا جائے، عوامی دعوت اور معاشرتی اصلاح کے کام کو متفق علیہ معروفات و منکرات کے ساتھ خاص کرلیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ داخلِ اسلام جماعتوں، اور مسلکوں میں اختلافی مسائل پانچ فیصد سے زیادہ نہ ہوں گے باقی پچھانوے فی صد دین پر اجماع واتفاق ہے اور اُمت اس کو بھول کر یا چھوڑ کر دین سے دور ہوتی جارہی ہے، اس لئے آج بڑی ضرورت اجتماعی احکام بالخصوص منکرات کی روک تھام ہے۔

اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم مسلمان جلد اپنی غلطیوں کو تسلیم کرلیں اور اپنی دینی وتہذیبی اصلاح کرتے ہوئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو سب سے پہلے اپنے لئے پسند کرلیں پھر اقوامِ عالم کے سامنے علم وعمل کے ذریعے پیش کریں۔ آمین

گوشۂ سیرت

از: مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی*

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ اسے خرید لیجئے

آج عمر فاروق ؓ نے مسجد نبوی کے باہر ایک دھاری دار جوڑا فروخت ہوتے دیکھا تو دل میں بات آئی کہ یہ خوبصورت کپڑا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیب دے گا، بالخصوص وفود سے ملاقات کے موقع پر، چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ! آپ اسے خرید لیجیے تا کہ جمعہ کے دن اور جب باہر سے وفود آپ سے ملنے آئیں آپ اس کو پہن سکیں۔

دنیا کی آسائشوں سے بے رغبت اور صرف آخرت کی ابدی نعمتوں کے خواہش مند نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمر فاروق ؓ کی یہ بے غرض اور مخلصانہ رائے بھی پسند نہیں آئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس کو آخرت میں کچھ ملنا نہیں اس کو وہ پہن لے۔

کچھ دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اسی طرح کے کئی جوڑے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے ایک جوڑا عمر فاروق کو بھی روانہ فرمایا، اس پر وہ حاضر خدمت ہو کر کہنے لگے:۔ اے اللہ کے رسول ! میں اسے کیسے پہن سکتا ہوں جب کہ آپ ہی نے اس کے پہننے والے کے متعلق اس اس طرح فرمایا تھا۔

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تمھیں پہننے کے لیے نہیں دیا ہے؟ اس کو تم بیچ دو یا کسی اور کو پہناؤ۔

اس پر عمر فاروق نے مکہ کے ایک مشرک کو یہ جوڑا ہدیہ کر دیا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ (صحیح البخاری: کتاب الأدب:۵۹۸۱)

* استاذ حدیث وتفسیر جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت اروی بنت حارث رضی اللہ عنہا

نام ونسب: یہ اروی بنت الحارث بن المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں، ان کی والدہ غزیۃ بنت قیس بن طریق بن عبد العزی بن عامر بن عمیرۃ بن ودیعۃ بن حارث بن فہر ہیں، ان سے ابووداعہ بن صبرہ بن سعید بن سعد بن سہم نے نکاح کیا، ان سے مطلب، ابوسفیان، ام جمیل، ام حکیم اور ربعہ اولاد ہوئیں۔

یہ خاندان بنو ہاشم کی عظیم المرتبت خاتون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد بہن تھی، جو فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار شمار کی جاتی تھی، ان کے حالات طیفور کی ''بلاغات النساء'' اور ابن عبور کی ''العقد الفرید'' میں مرقوم ہیں، اس کے علاوہ دیگر کتب زرکلی کی اعلام وغیرہ میں موجود ہیں، تفصیلی احوال نہیں ملتے۔

علم فضل:

صرف ان کی فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی کا تذکرہ ملتا ہے، ان کے بے شمار اشعار ہیں، یہ شعراء مخضرمین میں شمار ہوتی ہیں، غزوہ احد کے موقع سے انہوں نے ہند بنت عتبہ کے خلاف اشعار کہے تھے اور ہند کی جانب سے پیش کردہ اشعار کا انہوں نے جواب بھی دیا تھا۔

شوہر ابووداعہ کا فدیہ:

ان کے شوہر ابووداعہ غزوۂ بدر کے موقع سے گرفتار ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو روکے رکھو، اس کا ایک نہایت چالاک لڑکا ہے'' ''تمسکوا به ؛ فإن له ابنا كيسا'' ان کے بیٹے مطلب بن وداعہ چپکے سے آکر چار ہزار درہم فدیہ میں دے کر ان کو چھڑا کر لے گئے، یہ غزوۂ بدر کے اسیران میں سے سب سے پہلے شخص کا فدیہ تھا، قریش نے ان کے لڑکے کو فدیہ دینے پر عار دلائی تو انہوں نے کہا: ''ما كنت لأدع أبي اسيرا'' میں اپنے والد محترم کو قید و بند میں نہیں دیکھ سکتا تھا، پھر ان کے بعد دیگر قریش کے لوگ آکر فدیہ دے کر

---

* رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

اپنے اسیران کو لے جانے لگے۔ان کے لڑکے مطلب بن وادعہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، پھر کوفہ چلے گئے، اخیر میں مدینہ تشریف لائے۔(اسد الغابۃ: ۵/ ۱۸۳)

حضرت اروی بنت حارثؓ کی حق گوئی و بے باکی

ان کا ایک واقعہ تاریخ کی کتابوں میں بکثرت ملتا ہے، جس سے ان کی فصاحت و بلاغت اور عربی زبان دانی، بے باکی، حق گوئی اور جرات و ہمت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آئیں تو نہایت سختی سے پیش آئیں، اس وقت بہت بوڑھی ہو چکی تھیں، ضعف و نقاہت نے پوری طرح ان کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا، کمر جھک گئی تھی، سر ہلتا تھا، اور چہرے پر جھریاں بن گئی تھیں، لیکن آواز میں گرج اور رعب و داب ایسے ہی باقی تھا، رگوں میں خون خاندان بنی ہاشم کا دوڑ رہا تھا، جس نے ڈر اور خوف کو نکال دیا تھا، لاٹھی کے سہارے چلتی تھیں، حضرت معاویہؓ کے مکان پر گئیں، دروازے پر دستک دی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر آئے، اندر لے جا کر احترام سے بٹھایا اور عرض کیا۔ پھوپھی! مجھے آپ کی تشریف آوری سے نہایت خوشی ہوئی، آپ نے یہاں آکر مجھے شکریہ کا موقع عنایت فرمایا، میرے متعلق کچھ حکم ہو تو عرض کریں، حضرت معاویہؓ نے بات ختم کی تو تیزی سے بولیں:

بھتیجے! تمہاری اب یہ کیا حالت ہوگئی، تم اپنے آپ کو کس دنیا کا انسان سمجھنے لگے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ وہی ستو پینے والے، اونٹ پر سوار ہونے والے اور عرب کے تپتے ہوئے صحرا میں سورج کی دھوپ میں سفر کرنے والے ایک عرب ہو، تم اپنے گذشتہ دور کو بھول گئے، امارت و خلافت نے تمہاری دنیا بدل ڈالی ہے، اللہ نے تم پر جو احسان کیا ہے، اس کی ناقدری پر تلے ہوئے ہو، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا، اور آپ کی رفاقت میں رہنے کی سعادت سے بہرہ اندوز رہوئے، لیکن ان کے قوانین و احکام کو نظر انداز کر دیا، تم کو اللہ نے اقتدار عطا کیا؛ تاکہ لوگوں کی خدمت کرو، کمزوروں کا خیال رکھو، ضرورت مندوں کو بے نیاز کرو، محتاجوں کو غنی کرو، بے کاروں کو کاروبار مہیا کرو، اللہ کے ارشادات کی خود پابندی کرو اور اپنے اہل وعیال اور خاندان کو بھی پابند رہنے کا حکم دو، متکبروں کا تکبر ختم کرو، مغروروں کے غرور کو پس پشت ڈال دو؛ مگر تمہاری حکومت میں تمہارے حواری اور تمہاری ہاں میں ہاں ملانے والے من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں، اور تمہارے اعزہ و اقرباء نے لوگوں کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے، تم ظلم وستم کے تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، اور خاموش ہو آخر یہ کیوں ہے؟

معاویہ یاد رکھو! یہ حکومت ہمیشہ رہنے والی نہیں، اور یہ دولت ناقابل اعتماد ہے ایسا نہ ہو کہ خود حکومت و

فرماں روائی اور مال و دولت کی یہی فراوانی تمہارے لئے مصیبت کا باعث بن جائے اور تمہیں اپنا دفاع کرنا آسان نہ رہے، یہ حکومت اللہ کی امانت ہے، اور اللہ اسے ایسے لوگوں کے سپرد کرے گا جو اس کے اہل ہوں اور اس کے دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں اور ان کا مقصد وحید، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا ہو، تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ اور اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہمیشہ غالب رہے گا اور اس کے مددگاروں سے کبھی دنیا خالی نہ ہوگی، اس کا دین ہی منصور ہوگا، اگرچہ اس کے مخالف کتنا ہی برا سمجھیں، ہم اہل بیت ہیں اور ہمارا مرتبہ بہت بلند ہے، ہم نے اللہ کے دین کی ہر موقع پر مدد کی ہے، تم عام لوگوں کی طرح کے ایک ادنیٰ آدمی تھے، ہماری وجہ سے تمہیں حکومت واقتدار کی یہ مسند نصیب ہوئی، آج تم ہو کہ ہم لوگوں کی مخالفت پر اتر آئے ہو، جو حکمراں کمزور کا خیال نہیں رکھتا، مظلوم کی مدد کو نہیں پہنچتا، اور خوش حالی کے مواقع دوسروں کو نہیں دیتا؛ بلکہ خود ہی دولت وثروت کو سمیٹنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے، اس کا اقتدار عارضی ہے اور اس کی امارت وخلافت کی مدت مختصر ہے، دوسرے کے حقوق غصب کرنا سب سے بڑی برائی ہے، اگر تمہارے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف باقی ہے تو سیدھی راہ پر آجاؤ، اور سلطنت کے تمام لوگوں کو ایک سا درجہ دو، کسی کو کمتر اور کسی کو اونچا سمجھنا ناقابل عفو جرم ہے۔

جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اس وقت موجود تھے، حضرت اروی بنت حارث رضی اللہ عنہا کی یہ تقریر انہیں ناگوار گزری اور کہا: بڑھیا زبان بند کرو اور نظریں نیچی رکھو۔

حضرت اروی رضی اللہ عنہا اس تلخ کلامی کو برداشت نہ کر سکیں اور غصے سے عرب کے مروجہ محاورے کو استعمال کرتے ہوئے بولیں: ’’تمہاری ماں تم کو گم پائے، تم کون ہو؟ کہا: میں عمرو بن عاص ہوں، بولیں: تم مجھ سے مخاطب ہونے کی جرات کرتے ہو، تم معمولی حیثیت کے آدمی تھے اور تمہارے اندر کوئی نمایاں خوبی نہ تھی، نہ تم قریش میں معزز تھے، نہ تمہیں کوئی جگہ کہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، نہ تم سخی، نہ بہادر وجری تھے، تمہیں کہیں کا گورنر (عامل) بنا دیا گیا تو آپے سے باہر ہو گئے اور معززین سے اس انداز میں گفتگو کرتے ہو، میں تمہارے خاندان اور حسب ونسب سے اچھی طرح واقف ہوں، تم اس قابل نہیں کہ تم مجھ سے مخاطب ہونے کی جرأت کر سکو۔

مروان بن حکم بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے انہوں نے سختی سے کہا: بڑھیا! تم اب عمر کی اس منزل میں پہنچ گئی ہو کہ تمہاری عقل رخصت ہوگئی ہے، تم اتنے بڑے لوگوں کو آنکھیں دکھاتی ہو، خاموش ہو جاؤ، تم زندگی کے اس موڑ پر ہو کہ تم میں خرد وہوش باقی نہیں رہا، لہٰذا تمہاری شہادت ناقابل قبول ہے۔

بولیں: بیٹا میں تم سے اور تمہارے خاندان سے خوب آگاہ ہوں میں نے تمہارے باپ حکم کو دیکھا ہے کہ وہ جرأت ومرادنگی کے کسی زاویہ میں نہیں اترتا تھا، اب تم اقتدار میں ہو تو بڑھ بڑھ کر باتیں کررہے ہو، ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، جن کے نزدیک تمہاری وقعت نہیں۔

پھر حضرت معاویہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: معاویہ! ان لوگوں نے جو میری بے عزتی کی ہے، اس کے ذمہ دار تم ہو، تمہیں معلوم ہے جنگ احد کے وقت مسلمانوں میں آثارِ ہزیمت پیدا ہوئے تمہاری ماں نے شجاعت کے ترانے گائے تھے اور پھر تم کو یاد ہے کہ میں نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا تمہاری یہ جیت عارضی ہے، آثار بتارہے ہیں کہ کفر ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا اور اسلام کا جھنڈا بلند ہوگا، جس طرح تمہیں بدر کے میدان میں ذلت آمیز شکست ہوئی تھی، اسی طرح دوسرے معرکوں میں بھی تمہیں ہزیمت ونکبت کا سامنا کرنا پڑے گا، ہمارے بہادر تمہیں ختم کردیں گے اور ہماری تلواریں تمہارے سروں کو تن سے جدا کرنے میں تاخیر سے کام نہ لیں گی۔

اس موقع پر حضرت اروی بنت حارث رضی اللہ عنہا نے ہند کے اشعار بھی پڑھ کر سنائے جو ہندؓ نے جنگ احد کے دن مسرت آمیز اور فخریہ انداز میں پڑھے تھے، وہ شعر بھی پڑھے جو اس کے جواب میں خود انہوں نے پڑھے تھے۔

اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہا، عمرو بن العاص اور مروان بن حکم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کیسے آدمی ہو، ایک ناخوش گوار بحث کا تم نے آغاز کردیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھوپھی! فرمائیے کس طرح تشریف آوری ہوئی؟ انہوں نے اپنی کچھ حاجات پیش کیں جس سے وہ خاندان بنی ہاشم کی ضروریات کو پورا کرنا چاہتی تھیں، جب وہ جانے لگیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار دینار ان کی خدمت میں پیش کئے، اور پھر خاندان بنی ہاشم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کا معمولی خادم ہو، پھر ان کو دور تک چھوڑنے کے لئے گئے۔ (المختصر فی أخبار البشر: ۱/۱۸۸، اخبار الوافدات من النساء علی معاویۃ بن ابی سفیان، تالیف العباس بن بکار الضبی (المتوفی: ۲۲۲ھ) ۱/۷۴ موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاندان بنی ہاشم کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ خاندان بنی ہاشم کی عورتیں ہیں، ان کے مرد کتنے جری اور فصیح وبلیغ ہوں گے، میں ہر شخص کو جواب دے سکتا ہوں، لیکن بنو ہاشم کی اس معمر خاتون کے سامنے بے بس ہوں، اس کی زبان کی کاٹ تلوار سے تیز ہے اور اس کی باتیں صداقت پر مبنی ہیں۔ (الأعلام للزرکلی: ۱/۲۹۰) **وفات:** یہ مدینہ منورہ میں انتقال فرماگئیں۔

گوشۂ خواتین

بچیوں کو ۱۹/نصیحتیں

از: حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نروری رحمۃ اللہ علیہ

۱) لڑکی کی پیدائش کو برا نہ سمجھنا چاہیے نیز پہلی ولادت میں لڑکی ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ’’برکت والی ہے وہ عورت جس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔‘‘

پہلی اولاد لڑکی ہونے کا معاشرتی لحاظ سے ایک فائدہ یہ ہے کہ دوسری اولادوں تک یہ لڑکی بڑی ہوکر ان کی پرورش میں والدہ کا تعاون کرنے کے قابل ہوجاتی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پہلی اولاد میں لڑکیاں ہوتی ہیں تو وہ والد کی جوانی کے دَور میں ہی بالغ ہوجاتی ہیں تو وہ خود ان کی شادی کرادیتا ہے، ورنہ والد کے بڑھاپے یا مرنے کے بعد لڑکیاں بالغ ہوں، تو ان کی شادی مناسب جگہ اور جلد نہیں ہو پاتی۔

۲) عموماً آدمی کوئی چیز بچی کے مقابلے میں بچے کو زیادہ اور پہلے دینا چاہتا ہے، اس لیے کسی چیز کو تقسیم کرتے وقت پہلے بچی کو دو، پھر بچے کو، دونوں کو مساوی (برابر) سمجھو۔

۳) چھوٹی بچیوں کو بچیوں جیسے ہی کپڑے پہنانا چاہیے۔ لڑکے کو لڑکیوں جیسے کپڑے اور لڑکیوں کو لڑکوں جیسے کپڑے پہنانا گناہ کا کام ہے۔

۴) بچیوں کے کان چھیدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (مگر یہ عمر کے اس حصہ میں ہونا چاہیے جس میں کھال نرم رہتی ہے) البتہ لڑکے کے کان، ناک چھیدنا ممنوع ہے۔

۵) بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنے سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے، اس سے امورِ خانہ داری کی مشق اور گھر کے کام کا سلیقہ اور ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنے کی عادت پڑتی ہے، البتہ گڑیاں زیادہ بڑی اور اس پر ناک کان، آنکھ کے نقوش بہت زیادہ ابھرے نہ ہوں، اسی طرح پلاسٹک وغیرہ کی گُڑیاں اگر چھوٹی ہوں تو مضائقہ نہیں، مگر اس کھیل میں اتنا انہماک نہ ہونے دیں کہ گھر کے کام میں لڑکی تعاون نہ کرسکے، نیز اس کی نگرانی رکھنی چاہئے کہ گڑیوں کے کھیل کے بہانے لڑکی غلط لڑکیوں کو گھر نہ لانے لگے اور ان کو اپنی سہیلی نہ بنالے۔

* سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات

۶) پانچ چھ سال کی عمر میں لڑکی والد سے اور لڑکا والدہ سے زیادہ اُنس دکھلاتا ہے، اس مدت میں ان کو مکمل پیار ملنا چاہیے، اس عمر میں بچے نقل بھی کرتے ہیں، لڑکی ماں کی اور لڑکا باپ کی نقل کرتا ہے، یہ ان کی آئندہ کی اپنی شخصیت کے لیے ایک راہ تلاش کرنے کا جذبہ ہے، اس پر جھڑکنا نہیں چاہیے۔

۷) بچیوں کو کم سخن اور شرمیلی رہنے کی عادت ڈالو، بالغ بچیوں کو بہت زور سے بولنے یا زور سے پڑھنے سے روکنا چاہیے۔

۸) ۱۲؍سال کی لڑکیوں کو رشتہ داروں اور ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور ہنسی مذاق و تنہائی میں ان کے ساتھ کھیلنے سے شدت سے روکنا چاہیے۔

۹) ۱۲؍سال کی عمر کے بعد لڑکیوں کو زیادہ محلہ کے گھروں میں بیٹھنے اٹھنے نہ دینا چاہیے۔

۱۰) ۱۲؍سال کی لڑکی کو اور اگر صحت اچھی اور بدن بھرا ہوا ہو، تو ۹؍سال ہی سے بازار، میلے، وکھیل تماشے وغیرہ میں نہ جانے دینا چاہیے۔

۱۱) غلط قسم کی لڑکیوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر باتیں نہ کرنے دینا چاہیے۔

۱۲) لڑکیوں سینا، پرونا، بُننا اور خانگی کام، کھانا پکانا، گھر کے لوگوں کی خدمت اور بھائی بہنوں کے ساتھ خوش وخرم رہنے کی عادت ڈالنا چاہیے۔

۱۳) بعض لڑکیوں کو بچپن سے لڑنے جھگڑنے، کوسنے اور بڑوں کو جواب دینے کی بُری عادت پڑ جاتی ہے، اس کی طرف بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے، لڑکی سنجیدہ، متحمل مزاج اور مؤدب و شرمیلی بنے، اس کی کوشش کرنا چاہیئے، ورنہ شادی کے بعد سسرال جاکر بدنام ہوتی ہے اور ماں باپ کے لئے شرمندگی کا باعث بنتی ہے۔

۱۴) ۱۲؍سال کی عمر کے بعد اسکول جانے والی بچیوں کو اگر اعلیٰ تعلیم دلانا ہے تو ان کو ''گرلس اسکول'' (Girls School) میں بھیجنا چاہیئے، اگر کسی وجہ سے تعلیم دینا ضروری ہی ہو اور مخلوط تعلیم کے مدارس ہی میں بھیجنا پڑے تو سخت نگرانی کی ضرورت ہے، اس دوران زیادہ فیشن، زیادہ میکپ سے روکیں، لڑکوں کے ساتھ دوستی سے بچائیں، نیچی نگاہ رکھنے اور صرف تعلیم سے دلچسپی رکھنے کی ہدایت کریں۔ اگر ذرا بھی حالات بُرے نظر آئیں تو اس تعلیم سے بلا تعلیم رکھنا اچھا ہے۔

۱۵) ۱۵؍سال کی عمر کی لڑکی کو ''بہشتی زیور''، ''تعلیم الاسلام'' اور عورتوں سے متعلق مسائل کی کتابوں کی تعلیم ضرور دینا چاہیئے۔

۱۶) بچیوں کو پیسوں کا مالک بنانے کے بجائے زیادہ خوبیوں کا مالک بنانا چاہیئے، محنت ومشقت کا عادی

بنانا چاہئے۔

۱۷) بچوں کو عموماً اور بچیوں کو خصوصاً محنت ومشقت برداشت کرنے والا، روکھا سوکھا کھانے والا، اور موٹا اور سادہ پہننے والا، بناؤ، نہ معلوم ان کو مستقبل میں کن حالات سے دوچار ہونا پڑے، ناز ونعم اور عیش وآرام میں پلے ہوئے بچے معمولی سے حالات بھی خراب ہوں تو پریشان ہوجاتے ہیں۔

۱۸) بعض بچیوں میں یہ عادت ہوجاتی ہے کہ وہ دوسروں کے گھر کھیلنے یا اٹھنے بیٹھنے جاتی ہیں وہاں کی باتیں سن کر اپنے گھر آکر بیان کرتی ہیں، اس سے چغلخوری کی عادت پیدا ہوجاتی ہے اور بھولے پن میں اپنے گھر کی بھی راز کی بات وہ دوسروں کے گھر کہہ بیٹھتی ہیں، ماں اس پر خصوصیت سے نظر رکھے اور بچی کو اس حرکت سے روکتی رہے۔

۱۹) بات بات پر روٹھنا، ضد کرنا، اپنے کو سب سے اچھا سمجھنا، اپنی بات کی پچ اور اچھی اچھی چیز کی فرمائش ان عادتوں سے لڑکیوں کو روکنے کی سخت ضرورت ہے، ورنہ یہ عادتیں سسرال میں ان کو بدنام کرائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہماری بچیوں کو ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

(بہ شکریہ، ماہنامہ دوائے دل جولائی ۲۰۱۹ء)

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے)

یہ چند منصوبے اور عزائم ہیں جو ایک عرصہ سے مدرسہ فیض القرآن کے منتظمین نے سوچ رکھے ہیں، مگر مال کی عدم فراہمی کی وجہ سے ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ بزرگان دین کی دعائیں اور اہل خیر حضرات کی توجہ اگر ہمارے شامل حال رہیں تو ان شاء اللہ جلد از جلد ان عزائم کو ہم تکمیل کے مراحل تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ ان کاموں کو انجام دینے کی توفیق دے اور وہ صلاحیت عطا فرمائے جن سے یہ امور باحسن وجوہ مکمل ہوسکیں۔ آمین

آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

گوشۂ آزادی

ہندوستان میں مسلم دورِ حکومت

ایس اے ساگر

تاریخ پر نظر رکھنے والوں کی تحریر کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ روز قیامت تک انسان کے لیے مکمل دین یعنی دین اسلام کا ظہور تو جزیرہ نما عرب میں ہوا مگر اس کے پیروکاروں اور مبلغین نے اس کو تمام نوع انسانی تک پہنچانے کے لیے دنیا کے ہر کونے کا رخ کیا۔ اسلام نے عربوں کے رہن سہن اور اخلاق واطوار کو بدل کر رکھ دیا تھا اور عرب تاجر دنیا کے جس کونے میں بھی جاتے وہاں کے باشندے ان تاجروں کے حسن سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ برصغیر ہندو پاک میں بھی اسلام کا آغاز عرب تاجروں سے ہوا۔ ان تاجروں سے متاثر ہو کر پہلے ساحل مالابار کی ریاست کدنگا نور کے حکمران راجہ سامری نے اور بعد میں کالی کٹ کی بندرگاہ کے حکمران راجہ زمورن نے اسلام قبول کیا۔ جب ان حکمرانوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی رعایا بھی اپنے حاکموں کی تقلید کرتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ لیکن اس کا کیا کیجئے کہ چند سال سے فرقہ پرستوں نے ہندوستان سے اسلام اور اس کے پیروکار کی بیخ کرنے میں یہود و نصاریٰ کی پوری پوری نیابت اختیار کر رکھی ہے۔ مسلم نسل کشی کا ننگا ناچ، کبھی مسلمانوں کی پرسنل لا میں مداخلت، کبھی دینی مدارس کو دہشت گردی کا مرکز قرار دینا، مسلم حکمرانوں ـــ خاص طور پر حضرت عالمگیر رحمہ اللہ ـــ کی جانب سے لوگوں میں اس قدر پروپیگنڈہ کرنا کہ غیر تو غیر اپنے بھی تذبذب کا شکار ہو گئے، لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی جنم لینے لگا کہ آیا ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود باعث رحمت ہے یا زحمت؟ متعصب مؤرخین کی دوغلی پالیسی کے علی الرغم اکثر لوگوں کا زاویہ فہم اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہندوؤں پر تشدد نیز ان کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی ہے، اور مذہبی آزادی سلب کی تھی؛ لیکن روشن سورج کی تابانی پر تاریکی ہرگز طاری نہیں ہو سکتی۔

ورودِ اسلام سے قبل ہندوستان کا مذہب

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی حالت کا سرسری جائزہ بھی ناگزیر ہے۔ ہندوستان میں اسلام سے پہلے بدھ مذہب کے پیروکار تھے، اور بہت ہی قلت کے ساتھ برہمنی مذہب کا بھی پتہ چلتا ہے؛ لیکن اتنی

بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس وقت آرین مذہب کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی؛ بلکہ بدھسٹ کا اپنی خیرات تقسیم کرتے وقت جہاں دیگر مستحقین لائن میں ہوتے تھے وہاں برہمنوں کی قطار بھی ہوتی تھی (مختصر تاریخ ہند ا/۱۱۷-۱۱۸، از مسٹر ہنٹر) لیکن اس کے باوجود برہمن "بدھ" مذہب کو ختم کر کے آرین مذہب قائم کرنا چاہتے تھے۔ مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق چین کے مشہور عالم "ہیونگ شیانگ" نے ہندوستان کی سیاحت میں پندرہ سال ۶۳۰-۶۴۵ تک گزارے ہیں، اتنی ہی مدت میں ہندوستان کے چپہ چپہ کی سیر کرلی، اور ہر مقام پر اپنے ماننے والوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ چناں چہ دورانِ سفر کئی جگہ ڈاکوؤں کے پنجے میں گرفتاری کا ذکر بھی کرتا ہے، اور ہمیشہ ان (لٹیروں) کو کافر اور بے دین بتاتا ہے حالانکہ وہ برہمنی مذہب کے پیروکار اور بدھ کے مخالف تھے۔ (آئینہ حقیقت نما، ص: ۸۴)

اسلام سے پہلے ہندوستان کی مذہبی حیثیت

ہندوستان میں بدھ مذہب کو راجا "اشوک" کے زمانے میں کافی ترقی ملی؛ لیکن اس کے بعد اس کی شہنشاہی ٹکڑوں میں منقسم ہوگئی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بدھ کی اصل تعلیمات مسخ ہوگئیں اور عبادت واخلاق کی بنیاد کھوکھلی ہوکر رہ گئی کیوں کہ اشوک کے عہد کو ۹/سو برس اور گوتم بدھ کے زمانے کو تقریباً ۱۲/سو برس ہو چکے تھے، (آئینہ حقیقت نما، ص: ۸۵-۸۶) چناں چہ پورا معاشرہ بت پرستی و بدعقیدگی اور شدت پسندی کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی زمانے کے احوال کی نقاب کشائی اکبر شاہ اس طرح کرتے ہیں کہ: "یہاں (سندھ) میں عام طور پر بت پرستی رائج تھی، مجرموں کی شناخت کے لیے ان کو جلتی ہوئی آگ میں گذارنے کا عام رواج تھا، اگر آگ میں جل گیا تو مجرم اور بچ گیا تو بے گناہ تھا۔"

پھر مزید کچھ آگے فرماتے ہیں کہ: جادو کا عام طور پر رواج تھا، غیب کی باتیں اور شگون کی تاثیرات بتانے والوں کی بڑی گرم بازاری تھی، محرمات ابدی کے ساتھ شادیاں کر لینے میں تامل نہ تھا، چناں چہ راجا داہر نے اپنی حقیقی بہن کے ساتھ پنڈتوں کی ایماء سے شادی کی تھی، راہزنی اکثر لوگوں کا پیشہ تھا، ذات باری تعالیٰ کا تصور معدوم ہوکر اعلیٰ وادنیٰ پتھر کی مورتوں اور بتوں کو حاجت روا سمجھتے تھے۔" (آئینہ حقیقت نما، ص: ۱۷۴-۱۷۵)

اسی دور کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ "منوشاستر" کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: "اس وقت عام طور پر ہندو مذہب نت نئے دیوتاؤں یہاں تک کہ آلۂ تناسل تک کا پوجا جانا بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا (اور آج بھی یہ طریقہ ہندوؤں میں رائج ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ)" طبقہ واریت بے انتہا تھی یہاں تک کہ ایک قوم "شودر" نامی ہے جس کے متعلق منوشاستر، ص: ۶ پر ہے: "اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی

دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے، اگر اس کا دعویٰ کرے کہ وہ (کسی برہمن) کو وہ تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے، کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے، الو اور "شودر" کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔" یعنی اگر برہمن کا کوئی شخص دوسری ذات والے کو قتل کر دے تو فقط اس کی اتنی سی سزا کہ اس کا سر منڈوا دیا جائے اور اس کے برعکس دوسری قوم کے لوگ برہمن کے سامنے لب کشائی بھی کریں تو ان کی جان کے لالے پڑ جائیں۔ یہ تھی ہندی مذہب کی ادنیٰ جھلک۔

عرب و ہند کے تعلقات کا پس منظر

بعثتِ نبوی ﷺ سے بھی پہلے ہندوستان کے مختلف قبائل: زط (جاٹ)، مید، سیابجہ یا سیابجہ، احامرہ، اساورہ، بیاسرہ اور تکرّی (ٹھاکر) کے لوگوں کا وجود بحرین، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں ملتا ہے۔ چناں چہ ۱۰ ہجری میں نجران سے بنو حارث بن کعب کے مسلمانوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: "یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں"۔

(تاریخ طبری ۳/۱۵۶، بحوالہ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش از محمد اسحق بھٹی)

اسحٰق بھٹی اپنی مذکورہ کتاب میں مزید فرماتے ہیں: "کتب تاریخ و جغرافیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جاٹ برصغیر سے ایران گئے اور وہاں کے مختلف بلاد و قصبات میں آباد ہوئے اور پھر ایران سے عرب پہنچے اور عرب کے کئی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی" (ایضاً، ص:۱۸) نیز تاریخ میں ان قبائل کا۔ بزمانہ خلافت شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ (ایضاً، ص:۲۵) خلاصہ یہ کہ یہ قبائل عرب کے ساتھ گھل مل گئے ان قبائل میں سے بعضوں کے بہت سے رشتہ دار تھانہ، بھڑوچ اور اس نواح کے مختلف مقامات میں (جو بحر ہند کے ساحل پر تھے) آباد تھے۔

بالآخر عرب و ہند کے درمیان شدہ شدہ مراسم بڑھتے گئے یہاں تک کہ برصغیر (متحدہ ہند) اور عرب کا باہم شادی و بیاہ کا سلسلہ بھی چل پڑا، اس ہم آہنگی کی سب سے اہم کڑی عرب و ہند کے تجارتی تعلقات تھے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے نت نئے اشیائے خورد و نوش وغیرہ: ناریل، لونگ، صندل، روئی کے مخملی کپڑے، سندھی مرغی، تلواریں، چاول اور گیہوں اور دیگر اشیاء عرب کی منڈیوں میں جاتی تھیں۔ (ایضاً، ص:۲۹) اس واقعے کی تصریح ایک مصری مورخ یوں کرتا ہے: جنوبی عرب سے آنے والے تجارتی قافلوں کی ایک منزل مکہ مکرمہ تھا، یہ قافلے ہندوستان اور یمن کا تجارتی سامان شام اور مصر کو لے جاتے تھے، اثنائے سفر میں یہ لوگ مکہ مکرمہ میں قیام کرتے اور وہاں کے مشہور کنوئیں "زمزم" سے سیراب ہوتے اور اگلے دن کے لیے بقدر ضرورت زمزم کا پانی

ساتھ لے جاتے تھے۔" (عرب و ہند عہد رسالت میں بحوالہ الجمل فی تاریخ الادب العربی، ص:۲۷)

ہند میں طلوعِ اسلام

یوں تو لوگوں میں مشہور ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی روشنی بزورِ تیر و شمشیر سب سے پہلے سرزمین سندھ پر پڑی؛ لیکن یہ واقعہ ۹۳ ہجری کا ہے جب کہ اس سے بہت پہلے بعہد فاروقی ۱۵ھ ہی میں مالا بار، اور سراندیپ کے علاقوں میں اسلام کی خوشبو پھیلنا شروع ہوگئی تھی اور سلسلہ وار عہد عثمانیہ سے خلافت امیہ تک یکے بعد دیگرے بہت سے حضرات رسالت و توحید کی روشنی جنوبی ہند میں لاکر اس علاقے کے گوشہ گوشہ کو روشن کرنے میں ہمہ تن منہمک تھے، اور اسلام کسی خلل و رکاوٹ کے بغیر پھیل رہا تھا اور لوگوں کے ذہن و دماغ کو مسخر کیے جارہا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ مالا بار کا راجا "زمورن یا سامری" نے معجزہ شقِ قمر کا چشم دید مشاہدہ کیا اور تاریخ و دن محفوظ کر کے تحقیق شروع کردی۔ معلوم ہوا کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے ہیں انہی کا یہ معجزہ تھا۔

(آئینہ حقیقت نما، ص:۱۷-۲۷، از مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

الحاصل راجا نے بسروچشم اسلام قبول کرلیا اور اپنی سلطنت ترک کر کے سراپا ہدایت و رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ اشتیاق میں ان کے کوچے کی طرف چل پڑا؛ لیکن ــــ وقت کا سوائے خدا کسی کو علم نہیں ــــ قبل اس سے کہ وہ اپنی تشنگی بجھاتا دل کی ارماں دل ہی میں لیے ہوئے مالکِ حقیقی سے جاملا۔

مسلم دورِ حکومت

تاہم ہندی سے ترجمہ کے حوالہ سے شہباز بخت رقمطراز ہیں: کہ آٹھویں صدی عیسوی کے دوران ہی محمد بن قاسم آئے۔ آپ نے ہندوستان کی سرزمین پر مسلم حکمرانی کا پرچم لہرا دیا تھا۔ (اس کے بعد سے مسلم دورِ حکومت کی میعادی تفصیل کچھ اس طرح ہے)

1) عامر نصیر الدین سبکتگین، حکومت 13 سال (984-997ء)

2) محمود غزنوی، حکومت 32 سال (998 تا 1030ء)

3) سلطان شہاب الدین غوری، حکومت 31 سال (1175-1206ء)

4) سلطان قطب الدین ایبک، حکومت 4 سال (1206-1210ء)

غلام خانوادہ: 5) سلطان شمس الدین التمش، حکومت 24 سال (1211-1235ء)

6) رضیہ سلطان (سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی) (1236-1246ء)

7) سلطان نصیر الدین محمود، حکومت 20 سال (1246-1266ء)

8) سلطان غیاث الدین بلبن، حکومت 21 سال (1266۔1287ء)

خلجی خانوادہ: 9) سلطان جلال الدین خلجی، حکومت 6 سال (13 جون 1290 تا 20 جولائی 1296ء)

10) سلطان علاؤالدین خلجی، حکومت 20 سال (1296۔1316ء)

تغلق خانوادہ: 11) سلطان غیاث الدین تغلق، حکومت 4 سال (1321۔1325ء)

12) سلطان محمد شاہ تغلق، حکومت 27 سال (1325۔1352ء)

13) سلطان فیروز شاہ تغلق، حکومت 35 سال (1352۔1387ء)

سید خانوادہ: 14) خضر خاں، حکومت 7 سال (1414۔1421ء)

15) مبارک شاہ، حکومت 13 سال (1421۔1434ء)

16) محمد شاہ، حکومت 11 سال (1434۔1445ء)

17) المشاہ شاہ، حکومت 6 سال (1445۔1451ء)

لودھی خانوادہ: 18) سلطان بحلول لودھی، حکومت 37 سال (1451۔1488ء)

19) سلطان سکندر لودھی، حکومت 29 سال (1488۔1517ء)

20) سلطان ابراہیم لودھی، حکومت 9 سال (1517۔1526ء)

مغل خانوادہ: 21) شہنشاہ ظہیر الدین بابر، حکومت 4 سال (1526۔1530)

22) شہنشاہ ہمایوں، حکومت (پہلا دور) 10 سال (1530۔1540ء)

سوری خانوادہ:

23) شیر شاہ سوری، حکومت 5 سال (1540۔1545)

24) اسلام شاہ سوری، حکومت 8 سال (1545۔1553)

25) فیروز شاہ سوری، (1553)

26) محمد شاہ عادل، (1553)

27) ابراہیم شاہ سوری، حکومت 3 سال (1553۔1555)

28) سکندر شاہ سوری، (1555)

29) عادل شاہ سوری، (1555)

مغلوں کی واپسی: 22) شہنشاہ ہمایوں، حکومت (دوسرا دور) 1 سال (1555۔1156ء)

30)شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر، حکومت 49 سال (1556 ـ 1605 ء)

31)شہنشاہ نور الدین جہانگیر، حکومت 22 سال (1605 ـ 1627)

32)شہنشاہ شاہجہاں، حکومت 31 سال (1627 ـ 1658)

33)اورنگزیب عالمگیر (رحمہ اللہ) حکومت 49 سال (1658 ـ 1707)

34)محمد احمد شاہ، حکومت صرف کچھ وقت تک کے لئے، 14 مارچ تا 8 جون، 1707.

35)بہادر شاہ الاول، حکومت 5 سال (1707 ـ 1712)

36)جہاں دار شاہ، حکومت 1 سال (1712 ـ 1713)

37)فرخ شیر، حکومت 6 سال (1713 ـ 1719)

38)رفیع الدین، حکومت صرف کچھ مہینوں کے لئے، 28 فروری 1719 تا 6 جون 1719 تک

39)شاہجہاں حکومت صرف کچھ مہینوں کے لئے، 6 جون 1719 ـ تا 19 ستمبر 1719

40)محمد شاہ، حکومت 29 سال (1719 ـ 1748)

41)احمد شاہ، حکومت 6 سال (1748 ـ 1754)

42)عالمگیر ثانی عرف عالمگیر، حکومت 5 سال (1754 ـ 1759)

43)شاہ عالم، حکومت 47 سال (1759 ـ 1806)

44)جہاں شاہ، حکومت صرف کچھ وقت کے لئے، 31 جولائی 1788 ـ 16 اکتوبر 1788

45)اکبر ثانی، حکومت 31 سال (1806 ـ 1837)

46. بہادر شاہ ظفر، حکومت 20 سال 42 دن (1837 ـ 1857)

710 سے 1857 کا وقفہ 1147 سال ہوتا ہے، اس حساب سے 1147 سال ہندوستان کی تاریخ کا باب مسلم حکومتوں کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

1857 سے 2019 تک، تقریباً 162 سال ہو گئے لیکن پھر کوئی مسلم ہندوستان کا حکمران نہیں بن سکا۔ ان 162 سال میں سے تو 90 سال (1857 ـ 1947) تک تو ہم انگریزوں کے غلام رہے۔

لیکن 1947 سے 2019 تک 72 سال آزاد ہوئے ہو گئے لیکن ہم مسلمانوں کی حالات بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، اسباب زوال جاننے کے لئے مسلمان اپنے آئینہ تاریخ میں جھانک کر دیکھیں..

اصلاحی مضامین

ان پہ قربان ہر خوشی کر دی!

مولانا محمد معراج صاحب حسامی*

اس عالم رنگ و بو کی تخلیقات میں ارض وسما، شمس وقمر، شجر وحجر، بحر وبر، ان سبھی میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خلاق عالم نے مخلوق کی فطرت میں اطاعت اور فرمانبرداری، حکم کی بجا آوری، صرف ایک اشارے پر قربان ہوجانے کا جذبۂ لافانی جیسی صفات ودیعت فرمائی ہے، ایسی ہی جانثاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے خدا نے قربانی جیسی عظیم عبادت کا تحفۂ ابدی پیش کیا، جسے پوری امت مسلمہ اس فداکاری وجاں گدازی کے ساتھ انجام دیتی ہے کہ نفس نفس سے یہ سچی تعبیر ظاہر ہونے لگتی ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

بارگاہ ایزدی میں ذبیحے کا حلال کرنا دراصل خدا تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہے۔ یہ مالی عبادتوں میں ایک عظیم عبادت اور اسلامی شعائر کی ایک اہم کڑی ہے جو صاحبِ استطاعت افراد پر ہر سال ایامِ اُضحیہ میں واجب ہے؛ جس کا واحد مقصد خانوادۂ ابراھیمی کی قربانیوں اور جاں فشانیوں کو یاد دلانا اور بندوں میں جذبۂ سمع وطاعت پیدا کرنا ہے کہ کس طرح رب جلیل کے پیارے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم خواب میں قربانی کا حکم پا کر اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر حکمِ رب کی تعمیل میں چھری رکھ دی، ملائکہ کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور یہ واضح کر دیا کہ ابراہیم کا دل اپنے رب کے سوا کسی غیر کا مسکن نہیں ہوسکتا وہ محبت الٰہی سے معمور، وفاشعاری سے بھرپور، فداکاری وجاں نثاری سے موفور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو قبول فرما کر سید الملائکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جنت سے دُنبہ بھیجا اور اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح کروایا؛ چونکہ قربانی کا یہ عمل جائز وناجائز شکلوں کے ساتھ پچھلی قوموں میں بھی باقی تھا کہ لوگ اپنے اپنے طور پر بتوں کے نام سے جانوروں کی بھینٹ چڑھا دیا کرتے تھے۔ خود کے لئے انہوں نے اس عظیم الشان عبادت میں کفر وشرک کے ناپاک دروازے کھول لئے تھے۔ حافظ ابن کثیر وامام رازی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباسؓ

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

حضرت عطاء، حضرت مجاہد حضرت کعب قرظی، حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے اس لئے رسول پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کا حکم دیا گیا فصل لربك وانحر (ابن کثیر:۵۵۶/۶) گویا کہ دنیا اپنے معبودوں اور بتوں کے نام پر جذبۂ ایثار کا مظاہرہ کر کے بھی اس کی حقیقی برکات، حسنات اور ثمرات سے محروم تھی۔ حکم ربانی نے انسانی طبائع اور ان کی مصالح کے پیش نظر تمام جاہلانہ رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اصل ثمرۂ قربانی یعنی کمال قرب خداوندی اور خشیت الٰہی کی طرف توجہ دلائی۔ لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰی مِنۡكُمۡ (سورۃ الحج:۳۷) ذبح کے وقت جس قدر خوفِ الٰہی، تقویٰ و پرہیزگاری، اطاعت شعاری و وفاداری نفسانی خواہشات کی قربانی کے جذبات موجزن ہوں گے، اتنے ہی ثمرات و برکات کا نزول ہوگا۔

رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے اس قربانی کی اہمیت کو جتاتے ہوئے اس کے ثمرات و پائندہ حسنات کو واشگاف فرمایا: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہؓ نے فرمایا اس میں ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی، عرض کیا کہ اون کے بدلہ میں کیا ملے گا؟ فرمایا کہ اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ:318)

اسلامی تعلیمات کے باب میں عموماً اعمال کی فضیلتیں ان کے انجام دینے اور عمل صالح کو مکمل طریقے سے تکمیل تک پہنچانے کے بعد حاصل ہوتی ہیں لیکن ایام قربانی میں قربانی کے عمل اور اس کے ثمرات کو خدا کی شانِ کریمی نے قطرۂ خون کو زمین پر گرنے سے قبل ہی تاج محبوبیت سے آراستہ کر دیا، چنانچہ حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایام قربانی میں انسان کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور وہ آدمی قیامت کے دن اس جانور کے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے۔ پس اللہ کے بندوں خوشدلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی:1213)

ایک اور موقع پر قربانی کے اس عمل کو جہنم سے حفاظت کا ثمرہ بتایا گیا ہے: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص خوش دلی ساتھ اجر ثواب کی امید رکھتے ہوئے قربانی کرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گی۔ (الترغیب والترھیب ص278) اور ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ذبیحہ کو خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا تو اس میں اتنی برکت رکھ دی جائیگی کہ جب اسے

میزان میں رکھا جائے گا تو ستر گنا زیادہ کر کے تولا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت فاطمہؓ سے فرمایا) اے فاطمہ! اٹھو اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو، اس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی تمہارے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور تمہارے ترازو میں ستر گنا زیادہ کر کے رکھا جائے گا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کی فضیلت خاندان نبوت کے ساتھ خاص ہے جو کسی بھی خیر کے ساتھ مخصوص ہونے کے حقدار ہیں یا تمام مسلمانوں کے لئے؟ فرمایا یہ فضیلت آل محمد کے لیے خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (ایضاً ص278-277ج2)

ان آیات واحادیث کی روشنی میں قربانی کے بے شمار برکات وثمرات کو مختصر الفاظ میں یوں پرویا جا سکتا ہے کہ قربانی سنت ابراہیمی کی عظیم یادگار ہے، جس کی ایک صورت ہے، اور ایک روح ہے۔ صورت تو جانور کا ذبح کرنا اور روح ایثار نفس کا جذبہ پیدا کرنا اور قرب خداوندی حاصل کرنا ہے، یہ سیدنا حضرت ابراھیم خلیل علیہ السلام کی فدائیت کا منہ بولتا بیان ہے۔

ایک عاشق کو بھی اس بات کا دھیان ہونا چاہیے کہ ذبیحے کے ذبح کے وقت میری جان، جانِ آفریں کے احکام پر چلے گی، اس بے مثال جذبے کے ساتھ قربانی ہو کہ ہر لمحہ ہر آن ام الحسنات "تقویٰ" جیسی صفت حاصل کرنے کی کوشش ہوگی، آزمائش کے مواقع اور صبر کے لمحات گزارتے وقت داستانِ ابراھیمی نشانِ موعظت بنے گی، پھر "اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کی زندہ تصویر بن جائے گی تو دنیا ایسے عاشقانِ باوفا اور یارانِ باصفا کی تاریخ حیات کو ایک البم میں سجا کر یوں پیش کرے گی۔

ان پہ قربان ہر خوشی کردی
زندگی نذر، زندگی کردی

اصلاحی مضامین

اسلامی تجارت اور ہمارا مسلم معاشرہ

از۔مفتی محمد عبدالحمید قاسمی کریمنگری

شریعت میں تجارت اور معاملات کو بڑی اہمیت دی گئ ہے اگر یہ کہا جائے تو غلط اور بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کے کسی مذہب ونظام نے معیشت وتجارت کو وہ مقام اور اہمیت نہیں دی جو مذہبِ اسلام نے دی ہے، اسلام تجارت کے ان طور طریقوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس میں خرید وفروخت کرنے والوں کے درمیان کسی قسم کا دھوکا نہ ہو، اور ایسے طریقوں سے منع کرتا ہے جس میں کسی قسم کے دھوکہ، فریب یا فراڈ کا اندیشہ ہو، دین اسلام نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے، جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوت سے پندرہ بیس سال پہلے سے تجارت سے وابستہ تھے اور بطور صادق وامین پورے جزیرۂ عرب میں معروف ومشہور تھے۔

تجارت میں بے پناہ برکت ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کی ہے اس لیے یہ سنت بھی ہے، جس طرح اسلام میں ہر کام کے اصول موجود ہیں اسی طرح تجارت کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں جن پر عمل کرکے ہی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے، تجارت میں سب سے زیادہ جس چیز کی اہمیت ہے وہ اخلاق وکردار کی پاکیزگی کی ہے، آج آپ دنیا کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے امیر ترین لوگوں میں اکثر کا تعلق تجارت سے ہے۔ کاروبار میں لوگوں کو دھوکہ دینے اور بددیانتی کرنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں لیکن جو تاجر اس کے باوجود دھوکہ نہیں دیتا دیانتداری کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ خوفِ خدا، تقویٰ کا اور طہارت قلب کا باعث بنتا ہے اس سے نیک نامی ہوتی ہے اور نیک نامی خدا کا ایک انمول تحفہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

اسلامی تجارت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: يَآيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (سورۃ المؤمنون) (یعنی اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزوں میں سے (جو چاہو) کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، مجھے اس کا پورا پورا علم

استاذ جامعہ صدیقیہ فیض العلم، کریم نگر

ہے۔)اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ اور حلال رزق کو نیک اعمال پر مقدم فرمایا ہے معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا صدور حلال رزق پر موقوف ہے۔کہیں اللہ تعالیٰ نے مال کو باطل،حرام ناجائز، جبر واکراہ اور زبردستی کے طریقے پر کھانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (یعنی اے ایمان والو! تم اپنے مالوں کو غلط طریقے سے مت کھاؤ الا یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت کی صورت میں (سورۃ النساء:۲۹) ایک موقعہ پر ناپ تول کے سلسلے میں خصوصی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ (سورۃ الاسراء:۳۵)"اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور تولنے کے لیے صحیح ترازو استعمال کرو۔ یہی طریقہ درست ہے اور اسی کا انجام بہتر ہے،" کہیں اللہ تعالیٰ نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ (سورۃ المطففین) یعنی بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔

ان آیتوں میں ان لوگوں کے لیے بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے جو دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے میں تو بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں، لیکن جب دوسروں کا حق دینے کا وقت آتا ہے تو ڈنڈی مارتے ہیں۔ یہ وعید صرف ناپ تول ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے حقوق کو شامل ہے، اور اس طرح ڈنڈی مارنے کو عربی میں "تطفیف" کہتے ہیں۔ (آسان ترجمہ قرآن)

ذیل میں چند احادیث بالترتیب و باحوالہ پیش خدمت ہے جس میں فضائل تجارت، طریقۂ تجارت کے آداب، اصول وضوابط، اور خلاف شرع تجارت میں پیش آنے والی وعیدوں کا تذکرہ ہے، اور تقریباً بیع اور تجارت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سچے اور امانت دار تاجر، انبیاء صدیقین اور شہداء کے زمرے میں ہوں گے۔ (ترمذی:۲/۱۴۵) حضرت صخر الغامدیؓ کی روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! تو میری امت کے لئے صبح کے وقت میں جانے میں برکت عطا فرما حضرت صخرؓ تاجر آدمی تھے تو جب اپنے تاجروں کو بھیجتے تھے تو صبح سویرے بھیجتے تھے اس طرح وہ مالدار ہوگئے اور مال زیادہ ہوگیا۔ (ترمذی:۱/۱۴۵) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا کچھ تخفیف کردی تو قیامت کے دن اللہ اس کو اپنے عرش کے سایہ میں

رکھیں گے جس دن کوئی سایہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سائے کے نہیں ہوگا۔ (ترمذی:۱/۱۵۶) حضرت رفاعہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تاجر حضرات قیامت کے دن نافرمان لوگوں میں اٹھائے جائیں گے سوائے اس تاجر کے جس نے اللہ کا خوف کیا، نیکی کی اور سچائی اختیار کی۔ (ترمذی:۲/۱۴۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو بہتر طور پر ادا کرنے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ:۲۵۱) حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے ایک آدمی مرگیا تو اس سے سوال ہوا تم کیا کرتے تھے اس نے جواب دیا میں لوگوں سے خرید وفروخت کرتا تو میں مالدار سے درگزر کا معاملہ کیا کرتا تھا اور تنگدست کو معاف کردیا کرتا تھا اس بات پر اس کی مغفرت ہوگئی۔ (بخاری:۱/۳۲۲) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس اس شخص پر رحم کرے، جو نرم ہو بیچنے اور خریدنے یا تقاضہ کرنے میں۔ (بخاری:۱/۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے تو اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور جب انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی تو آپ نے اناج کے مالک سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اناج بارش سے بھیگ گیا ہے تو آپ نے فرمایا تو تم نے اس گیلے اناج کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیتے۔ پھر فرمایا جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت مقدامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام تو اپنی ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (بخاری:۱/۲۷۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی رسی لے اور اس سے اپنی پشت پر لکڑیاں کاٹ کر لائے یہ کہیں بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی آدمی کے پاس جائے اور اس سے سوال کرے وہ اسے دے دے یا منع کردے۔ (بخاری:۱/۱۹۹)

حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز بنی آدم کے پیر اپنے رب کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے عمر کس چیز میں گزاری؟ جوانی کس چیز میں گنوائی؟ مال کہاں سے کمایا، مال کہاں خرچ کیا، جو علم حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا۔ (ترمذی:۲/۶۴)

ہمارا طرز عمل اور اس کے نقصانات:-

پورے دین کا خلاصہ پانچ چیزوں میں ہے اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت، اور اخلاقیات۔

تجارت کا معاملات، معاشرت (آپس میں رہن سہن کے طور طریقے) اور اخلاقیات سے گہرا تعلق ہے بلکہ یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان کے بغیر تجارت کا تصور ہی ممکن نہیں گویا کہ دین کا ایک بہت بڑا حصہ تجارت سے متعلق ہے اور مسلم معاشرہ خصوصا معاملات کے شعبہ میں سب سے پیچھے ہے، حال یہ ہو چکا ہے کہ مسلمان، مسلمان سے خرید وفروخت کرنے کو تیار نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان تاجر مہنگا بیچتا ہے اور ساتھ میں کم قیمت دینے کا احسان بھی جتلاتا ہے اور کبھی گاہک کے ساتھ بے التفاتی اور سخت رویہ بھی اختیار کرتا ہے، جب تاجر کے دل میں اسلامی تجارت کے اصول وضوابط کو چھوڑ کر محض رقم بٹورنے اور مال جمع کرنے کا جذبہ کارفرما ہوجاتا ہے تو حلال، حرام، جائز، ناجائز کا کوئی پاس ولحاظ باقی نہیں رہتا۔ لہذا ناپ تول میں کمی کرنا، جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، دھوکہ دینا، عیب چھپانا، نقلی چیز کو اصلی چیز بتا کر فروخت کرنا مبیع یا ثمن کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا، مال دار کو مہلت نہ دینا، تنگ دست سے درگزر کا معاملہ نہ کرنا، خرید وفروخت میں نرمی سے پیش نہ آنا، رقم یا مبیع کا تقاضہ کرنے میں سختی سے پیش آنا جیسے اعمال کا صدور ہوتا ہے جس کا نتیجہ آپسی دشمنی، نااتفاقی، تجارت کی برکتوں سے محرومی، ظلم وزیادتی، اخلاق کے زوال اور ایک دوسرے پر عدمِ اعتماد کی شکل میں سامنے آتا ہے جو اصل میں معاشی اعتبار سے مسلم معاشرہ کا سب سے بڑا نقصان ہے۔

گزارش:

حلال وحرام کے ساتھ مشتبہ چیزوں کی بھی رعایت ملحوظ رکھیں اور شریعت میں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد مال سے متعلق ہیں ان کو اہتمام سے ادا کریں؛ کیوں کہ یہی تجارت اجر وثواب کا باعث ہے، نیز کوئی بھی تجارت خلاف شرع نہ ہو، تجارت میں غیر مسلموں کی نقالی اور ان کے طور طریقوں کو فروغ نہ دیں بلکہ آپ ملازمت اور تجارت کے جس شعبہ میں بھی خدمت انجام دے رہے ہیں کسی عالم یا مفتی سے اسلامی احکام سے مکمل واقفیت حاصل کر کے ہی ملازمت وتجارت کریں۔ نیز برکتوں کے حصول کے لئے صبح سویرے ہی کاروبار وتجارت کا آغاز کریں۔ مالدار حضرات قومی وملی فریضہ سمجھتے ہوئے اپنی دکانوں، مکانوں اور کمپنیوں میں خاص طور پر غریب مسلمانوں کے لئے روزگار فراہم کریں یا مالدار حضرات قومی وملی فریضہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کا شکر بجالاتے ہوئے غریب اور متوسط طبقہ کے وہ مسلمان جو کسی فن میں مہارت رکھتے ہوں مگر محض پیسے نہ ہونے کی وجہ سے تنگدستی کا شکار ہوں تو ان کو بیع مضاربت یا قرض کے طور پر مال دے کر ان کی معاشی تنگی کو دور کرنے کا ذریعہ بنیں، نیز پیشہ ور مسلمان فقراء جو صحت مند ہیں اور جن کے اعضاء صحیح سلامت ہے ان کو بھیک مانگنے کی وعیدیں سنا کر حتی المقدور تجارت کرنے پر زور دیا جائے اور ایسے لوگوں کا تعاون کر کے ان کو تقویت پہنچانے سے

گریز کیا جائے اور صحیح مستحقین تک وہ تعاون پہنچایا جائے ،خرید وفروخت کے وقت مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی نرم لہجہ سے گفتگو کریں اور اخلاق کے ساتھ پیش آئیں جو موجودہ زمانہ کا ایک اہم تقاضہ بھی ہے تاکہ غیر مسلم مسلمان اور اسلامی تجارت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیں یا کم از کم اسلام کے خلاف اپنی آواز پست کرلیں۔

خلاصہ:

اگر حلال طریقہ پر مال حاصل کیا جائے اور صحیح راستہ سے خرچ کیا جائے تو یہ اسلام میں عین مطلوب ہے، کیونکہ بہت سے حقوق مال ہی سے متعلق ہیں، مال یہ ایسی چیز ہے جو بعض دفعہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، اسی لئے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ تجارت کریں کسی چیز کا بھی کاروبار ہو اس کو اسلامی اصول وضوابط اور ایمانداری کے ساتھ کریں جس کے بعد برکتوں کا نزول ہوگا اور اس سے ہماری معیشت مضبوط و مستحکم ہوگی انشاء اللہ۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے مطابق تجارت کر کے اس کے فضائل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

رخصتی کے وقت بیٹی کو نصیحت

حضرت اسماء بنتِ خارجہ نے اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ:

’’تو ایک جانے بوجھے آشیانے سے نکلی ہے اور ایسے مکان کو اپنا رہی ہے جسے تو نہیں پہچانتی ،اور ایسے رفیقِ حیات سے تیرا سامنا ہے جس سے تو مانوس نہیں ہے،سو تم کو چاہیئے کہ زمین کی طرح اس کے پاؤں تلے بچھ جاؤ، وہ تمہارے حق میں آسمان بننے کی کوشش کرے گا،فرش کی طرح اپنے کو ثابت کرو، وہ تمہارے لئے ستون ثابت ہوگا،تم باندی بن کر رہو وہ غلامِ بے دام بن کر رہے گا،کسی مطالبہ پر اصرار نہ کرو، ورنہ وہ بے زار ہو جائے گا،اس سے دور دور نہ رہو، ورنہ وہ بُھلا دے گا، وہ اگر قریب آئے تو تم بھی قریب آنے کی کوشش کرو، اور اگر وہ دور رہے تو تم بھی اپنے کو دور رکھو، ہر حال میں اس کی عزت شہرت اور شخصیت کا خیال رکھو، خوشبو کے سوا وہ تم سے کوئی چیز سونگھنے نہ پائے ،اور بجز اچھی بات کے اور کچھ سننے نہ پائے ،اسی طرح اس کی نظریں بھی اُٹھیں تو جمال اور خوبصورتی پر پڑیں۔

(ماخوذ از: دوماہی نقوشِ طیبات، جولائی اگست ۱۹ء صفحہ ۳۹)

آداب واحکام

قربانی سے متعلق بعض اہم مسائل کی تحقیق

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی

’’ذی الحجہ‘‘ اسلامی سال کا سب سے آخری مہینہ ہے؛ جو ماہ رمضان کے بعد عظمت وفضیلت میں اپنی نمایاں شان اور منفرد شناخت رکھتا ہے، اس مہینے کا چاند نظر آتے ہی ہر مسلمان کے دل میں اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے؛ جو جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خانوادے نے پیش کی، جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز وقاصر ہے۔

’’قربانی‘‘ مذہب اسلام کا ایک خصوصی وصف وشعار اور قرب خداوندی حاصل کرنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے؛ یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ زندگی بھر پورے اہتمام کے ساتھ اس عبادت کو انجام دیتے رہے اور وقتاً فوقتاً اس کی ترغیب بھی فرماتے رہے۔

قربانی کا حکم:

چاروں ائمہ اور تمام علماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت موکدہ کا نام (Title) دینے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے واجب ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مالکؒ بھی قربانی کو واجب قرار دیتے ہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت موکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے؛ لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی نام دیا جائے۔

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

وجوب قربانی کے دلائل:

۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: فصل لربك وانحر یعنی اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے! (الکوثر:۲)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ نماز عید واجب ہے اور دوسرے یہ کہ قربانی بھی واجب ہے۔(احکام القرآن للجصاص: ج3 ص419)

اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

فصل لربك سے جس طرح نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح ''وانحر'' سے قربانی کا واجب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔(اعلاء السنن: ج ۱۷ ص ۲۱۹)

۲) عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من کان له سعة فلم یضح فلا یقربن مصلانا۔ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص استطاعت کے باوجود بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے'' (سنن ابن ماجہ رقم: ۳۱۲۳ قال العینی وأخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب ہے ورنہ اس کے چھوڑنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی سخت وعید نہ فرماتے۔

۳) عن جُنْدَبَ بْنَ سُفْیَانَ البَجَلِی رضی اللہ عنہ قَالَ: شَهِدْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ یُصَلِيَ فَلْیُعِدْ مَکَانَهَا أُخْرَى....الخ

حضرت جندب بن سفیان البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ کے دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے عید کی نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا تو اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہیے کہ وہ (عید کی نماز کے) بعد ذبح کرے۔(صحیح بخاری، باب من ذبح قبل الصلاۃ اعاد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی نماز سے قبل جانور ذبح کرنے پر دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا؛ حالانکہ اُس زمانہ میں صحابۂ کرام کے پاس مالی وسعت نہیں تھی، معلوم ہوا کہ واجب ہونے کی بناء پر ہی دوبارہ قربانی کا حکم دیا گیا، اگر سنت ہوتی تو اعادہ کا حکم نہ ہوتا۔

۴) عَنْ عَامِرٍ أَبِي رَمْلَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مِخْنَفُ بْنُ سُلَیْمٍ، قَالَ: وَنَحْنُ وُقُوفٌ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَرَفَاتٍ قَالَ: یَا أَیُّهَا النَّاسُ، إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَیْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحَاةً وَعَتِیرَةً۔

ترجمہ: حضرت عامر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ مخنف بن سلیم نے ہمیں بتلایا کہ عرفات کے میدان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر سال ایک دفعہ ہر اہل خانہ پر قربانی اور عتیرہ واجب ہے۔ (رواہ النسائی:۴۲۲۹)

ان دلائل کے علاوہ اور بھی متعدد دلائل ہیں؛ جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ہر وہ شخص جو متوسط گھرانے کا ہو، (فقہاء کی اصطلاح میں جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو) اس کے لئے قربانی دینا واجب ہے۔

جہاں تک ابن ماجہ اور ترمذی کے اس اثر کا تعلق ہے جو حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک بکری کی قربانی کرتے جس کو آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کرتا یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ صورت حال ہوگئی جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو۔

تو یہ نفل قربانی پر محمول ہے اور سب لوگوں کی جانب سے قربانی کا مطلب اجر وثواب میں شریک کرنا ہے جیسا کہ مشہور روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مینڈھوں کو ذبح کیا ان میں سے ایک اپنی واجب قربانی کے طور پر تھا اور دوسرا نفل کے طور پر (برائے ایصال ثواب) (کما فی التعلیق المجد)۔

ایک بکری صرف ایک آدمی کی طرف سے:

مذاہب ائمہ: علامہ وہبہ زحیلیؒ نے اس مسئلہ میں فقہا کا اتفاق نقل کیا ہے کہ بکرے وغیرہ کی قربانی صرف ایک ہی فرد کی جانب سے جائز ہے چناں چہ ارقام فرماتے ہیں: اتفق الفقہاء علی ان الشاۃ والمعز لاتجوز اضحیتہما الا عن واحد (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۴، ص ۲۷۲۴) البتہ حنابلہ اور مالکیہ کے کتب فروع میں یہ جزئیہ ملتا ہے کہ انہا تجزئ عن الرجل وعن اھل بیتہ وان کانوا سبعۃ أو اکثر لیکن جائز ہونے کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ قربانی تو ذابح کی طرف سے سمجھی جائے گی اور ثواب کا استحقاق بھی خاص اسی کے لیے ہوگا البتہ ایک ہی سربراہ کا قربانی کرنا تمام اہل بیت کی طرف سے کفایت کر جائے گا جس کو ان کی کتابوں میں سقوط طلب سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی دیگر افراد سے پوچھ نہیں ہوگی۔

(والتفصیل فی شرح المہذب للنووی واوجز المسالک للکاندھلوی)

اس سلسلہ میں حنفیہ وشافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ بکری وغیرہ چھوٹے جانور کی قربانی صرف ایک ہی فرد کی جانب سے جائز ہے۔ (کما فی تبیین الحقائق ج ۶، ص ۳، والاقناع: ج ۲، ص ۵۸۹)

احناف وشوافع کے دلائل:

۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال الشاۃ عن واحد۔ (اعلاء السنن ج ۱۷، ص ۲۱۰ باب ان البدنۃ عن سبعۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ (قربانی میں) بکری ایک (آدمی) کی طرف سے ہے۔

۲)عن جابر رضی اللہ عنہ قال نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیة البدنة عن سبعة والبقر عن سبعة۔(رواہ مسلم رقم ۱۳۱۸، مؤطا مالک)

روایت مذکورہ میں اونٹ اور گائے ہی کو سات آدمیوں کے لیے کافی قرار دیا گیا اگر بکرے کا بھی یہی حکم ہوتا تو ضرور روایت میں اس کا تذکرہ ہوتا۔

۳)عن جابر رضی اللہ عنہ نحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائه (رواہ مسلم ۲۳۹۲)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کی جانب سے بھی قربانی فرمائی۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک ذمہ دار کی قربانی سارے گھر کی طرف سے کفایت کرجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کی جانب سے قربانی نہ کرتے۔

نوٹ:مشہور غیر مقلد عالم زبیر علی زئی لکھتے ہیں:''بکری اور مینڈھے میں اتفاق ہے کہ صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کافی ہے''۔(مقالات زبیر علی زئی ج ۲،ص ۲۱۵)

جواز شرکت کی دلیل: عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال کنا نضحی بالشاة الواحدة یذبحها الرجل عنه وعن أهل بيته ثم تباهى الناس بعد ذالک فصار کما تری

(رواہ ابن ماجة والترمذی وغیرھما)

یعنی ہم ایک بکری کی قربانی کرتے جس کو آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ذبح کرتا یہاں تک کہ لوگوں میں مفاخرت شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ صورت حال ہوگئی جس کا تم مشاہدہ کررہے ہو۔

جب کہ ہم اس حدیث کے سلسلہ میں نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو مینڈھوں کو ذبح کرنے والی روایت کے سلسلہ میں اشتراک سے اشتراک فی الاجر والثواب مراد لیتے ہیں ورنہ حضرت ابوہریرہؓ والی روایت ''من وجد سعة ولم یضحی فلا یقربن مصلانا'' ان دونوں کے معارض ومقابل ہوجائے گی جو مزاج شریعت کے بالکل خلاف ہے۔علاوہ ازیں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں مضبوط دلائل کے ذریعہ منسوخ ثابت کیا ہے،اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دو مینڈھے ذبح کیے اُن میں سے ایک اپنی واجب قربانی کے طور پر تھا اور دوسرا نفل کے طور پر (برائے ایصال ثواب)(التعلیق المجد)۔جس سے معلوم ہوا کہ واجب میں اشتراک نہیں ہوتا۔

مزید وضاحت کے لیے اس مسئلہ کی چند جزئیات بھی ملاحظہ فرمائیں!

1:ایک گھر میں کئی لوگ صاحب نصاب ہوں۔

2: ایک گھر میں صرف ایک فرد صاحب نصاب ہو۔

3: ایک گھر میں کوئی بھی صاحب نصاب نہ ہو۔

پہلی صورت میں جتنے صاحبِ نصاب ہیں سب کو علاحدہ علاحدہ قربانی کرنا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنی جانب سے قربانی کرے اور گھر والوں کو بھی ثواب میں شریک کرلے۔ تیسری صورت میں کسی پر قربانی کرنا لازم نہیں۔

ایام قربانی:

مذاہب ائمہ: اس سلسلہ میں جمہور ائمہ (امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) کا مسلک یہ ہے کہ قربانی صرف تین ہی دن (۱۰، ۱۱، ۱۲/ذی الحجہ) ہیں، البتہ امام شافعیؒ کا ایک غیر معمول بہ قول ۱۳/ذی الحجہ کا بھی ہے اور یہی قول غیر مقلدین کا معروف مسلک ہے۔ (کمافی کنز الحقائق ۱۹۳، ونزل الابرار)

جمہور کے دلائل:

۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال الأیام المعلومات۔۔۔فالمعلومات یوم النحر ویومان بعده

(تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج۶ ص ۲۶۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں ''ایام معلومات۔۔۔، چناں چہ ایام معلوم یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) اور اس کے بعد دو دن (۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) ہیں''

۲) عن مالک، عن نافع ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال "الاضحی یومان بعد یوم الاضحی""وحدثنی عن مالک انه بلغه عن علی بن أبی طالب، مثل ذلک"۔

(مؤطا مالک روایۃ یحیی اللیثی کتاب الضحایا، باب الضحیۃ عما فی بطن المرأۃ رقم الحدیث ۱۰۲۰، السنن الکبری للبیہقی، کتاب الضحایا، اسنادہ صحیح تخریج مشکاۃ المصابیح، للالبانی، الرقم: ۱۴۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قربانی دو دن بعد (بھی) ہے قربانی والے دن کے علاوہ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بے شک اس جیسا قول حضرت علی بن ابی طالبؓ سے بھی پہنچا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کہتے تھے قربانی دو دن بعد (بھی) ہے قربانی والے دن کے علاوہ۔

۳) وما قد حدثنا یونس بن عبدالاعلی قال: أخبرنا عبداللہ بن وھب ان مالکا حدثه عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: النحر یومان بعد یوم النحر۔

(احکام القرآن الکریم للطحاوی، کتاب الحج والمناسک تأویل قوله تعالیٰ: واذکروا اللہ۔۔۔۔۔۔رقم الحدیث: ۱۱۶۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۳ کی تفسیر) میں فرماتے ہیں کہ "اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ" یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اوراس کے بعد دو یوم (۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) ہیں۔

۴)عن علی رضی اللہ عنہ قال: النحر ثلاثۃ أیام۔

(احکام القرآن الکریم للطحاوی، کتاب الحج والمناسک تأویل قولہ تعالیٰ: ۳۰ واذکروا اللہ۔۔۔۔رقم الحدیث: ۱۱۶۲، ج ۲ ص ۲۰۵)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ: "قربانی تین دن ہے"۔

۵)عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال الذبح بعد النحر یومان۔

(السنن الکبری للبیہقی، کتاب الضحایا، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین۔۔۔رقم الحدیث: ۱۸۶۶۳، ج ۹ ص ۲۹۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا: "قربانی (دسویں ذی الحجہ یعنی عید کے دن کے) بعد صرف دو دن ہے"۔

۶)عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الاضحی یومان بعد یوم النحر۔

(عمدۃ القاری (العینی) ۲۱/۲۲۰، اسنادہ جید)

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ قربانی کے صرف تین ہی دن ہیں اور اسی پر امت کا اجماع بھی چلا آرہا ہے۔

یہ گلستاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

ہم وطن یہ گلستاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
اس کا ہر سود وزیاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
وقت کا ہے یہ تقاضا متحد ہوجائیں ہم
کب سے دشمن آسماں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

راغب مرادآبادیؔ

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا عبدالرؤوف صاحب سنسار پوریؒ

از: حضرت مولانا احمد سعد صاحب دامت برکاتہم

اپنے وقت کے مشہور ناہی عن المنکر، عظیم مصلح، یگانہ روزگار، شیخِ طریقت محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی ؒ نے اپنی عمر بھر کی انتھک جدوجہد سے جو ہیرے تراشے تھے، ان میں ایک اہم درِیتیم حضرت مولانا عبدالرؤوف صاحب قاسمی سنسارپوری نور اللہ مرقدہ وبردمضجعہ نائب ناظم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی ومجلس دعوۃ الحق ہردوئی کی ذات والاصفات بھی تھی، حضرت مولانا فنا فی الشیخ کی ایک مثال تھے، بہت سی اداؤں میں اپنے محبوب شیخ کے عکس جمیل تھے، مناہی سے اجتناب، عبادات میں رغبت، حساب وکتاب میں امانت وشفافیت، حلم وبردباری، قناعت، صبر وضبط کے پیکر مفوضہ ذمہ داری بدرجہ احسن واکمل پورا کرنے میں نادرنمونہ تھے۔

آپ کی ولادت ۱۹۴۱ء میں قصبہ سنسار پور ضلع لکھیم پور کھیری میں ہوئی، آپ کا خاندان علاقہ کا صاحبِ ثروت باوقار خاندان تھا، آپ کے والد جناب رسول احمد صاحب مرحوم تھے جن کے چار فرزند تھے، حضرت مولانا کے علاوہ حافظ شکیل صاحب، حافظ سہیل صاحب، مولوی محمد اسلم صاحب مفتاحی، سب حضرات ماشاءاللہ بقیدِ حیات ہیں۔

ابتدائی تعلیم

حفظ قرآن کریم کا آغاز ۱۹۵۵ء میں حافظ عبدالاحد صاحب سے قصبہ سنیگ گاہی میں کیا پھر تکمیل قصبہ محمدی امام جامع مسجد قاری عابد علی صاحب سے کی۔ بچپن سے نشانہ بازی اور تیراکی میں مہارت تھی ایک مرتبہ ایر گن سے سو نشانے لگائے جو صد فی صد درست تھے، اسی طرح اس زمانہ میں موٹر سائیکل چلانا سیکھی تھی، ایسے ہی کبڈی کھیلنا، والی بال کھیلنے کا معمول تھا، غرض صحت وتندرستی چستی پھرتی شروع سے ہی خمیر میں شامل تھی کاشتکاری کے بھی سارے طریقے سیکھے اور برتے۔

آپ کے چچا مولانا عبدالحلیم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے،آں موصوف نے مزید تعلیم کے لئے مرکزعلم دیوبند کے لئے رختِ سفر بندھوایا اوراس طرح دیوبند میں آمد ہوئی اور درجہ فارسی میں داخلہ ہوا، طبیعت زیادہ خراب ہوگئی،سال اول تک پڑھا مگرآب وہوا راس نہ آئی شدید بیمار ہوگئے،اس لئے گھر والوں نے واپس بلالیا پھر دوسال بعد دوبارہ دیوبند آگئے اور کافیہ کی جماعت ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے طالبین میں مشیتِ ایزدی نے منتخب کیا،یہاں کی علمی،عرفانی اورروحانی فضامیں مسلسل چھ برس رہ کر نہ صرف یہ کہ ظاہری علم سے آراستہ ہوئے بلکہ آدابِ زندگی بھی اپنے اساتذہ کرام سے سیکھتے رہے جن میں خاص مناسبت دیوبند کے سادات خاندان کے بزرگ ممتاز عالمِ دین حضرت مولانا میاں اخترحسین صاحب رحمہ اللہ سے تھی، بلاناغہ ان کی خدمت وصحبت کا شرف حاصل کیا،میاں صاحب کے صاحبزادے گرامی قدر ماسٹر سید انظرحسین صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند آپ کے بچپن کے ساتھی اور دوست ہیں، ہمیشہ ان سے تعلق کو باقی رکھا،دیوبند آمد پر میاں صاحب کے آستانے پر حاضری لازم تھی۔

اساتذہ کرام

مخصوص اساتذہ کرام میں میاں اخترحسین صاحب کے علاوہ جامع المعقول والمنقول علامۃ الدھر حضرت مولانا محمد ابراھیم صاحب بلیاوی،محدث زمانہ فخرالمحدثین حضرت مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادی سے بخاری شریف پڑھی، دیگراساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ حضرت مولانا فخرالحسن صاحب امروہوی،حضرت مولانا انظرشاہ صاحب کشمیریؒ ،حضرت مولانا سالم صاحبؒ قاسمی سابق مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند کے اسمائے گرامی شامل ہیں،دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۴ء میں فراغت ہوئی۔

تدریسی دوراور حضرت محی السنہؒ کی خدمت میں حاضری

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد قصبہ نواب گن بریلی میں ۹/ ماہ پڑھایا، وہاں مختلف الخیال لوگ تھے،اس کے باوجود مقبولیت ہوئی،مگر استغناء اورمزاج میں دینی تصلب کی وجہ سے رہنا مشکل تھا،اس لئے معذرت کردی، پھر برادرِخورد جناب حافظ شکیل احمد صاحب آپ کو حضرت والا ہردوئی کے پاس لائے،تقریباً یہ سن ٦٦ کی بات ہے کہ یہیں سے یہ صالح فطرت تخم ایک مردم شناس،حکمت آشنا،مدبر صفت مصلح کی نگرانی میں آیا پھر مرشد ومسترشد کی روح میں ایسا اتحاد ہوا کہ تادمِ واپسیں اس میں ذرہ برابر کوئی فرق نہ آیا جس کی مجموعی مدت ۵۰/سال ہے،اپنے آپ کو مردہ بدست زندہ کی طرح شیخ کے سپرد کیا (جو راہِ سلوک کی کامیابی کا بنیادی اصول ہے) پھر جب جس طرح جو کہا گیا بسروچشم قبول کرتے رہے۔

تقرر کے بعد حضرت محی السنہؒ نے مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد شاخ دعوۃ الحق ہردوئی میں بھیجا، یہاں تین سال قیام کیا اور درجہ حفظ میں عمدہ کارکردگی سامنے آئی، پھر مدرسہ جامع العلوم بلگرام ضلع ہردوئی میں شاخ دعوۃ الحق میں چند سال رکھا گیا پھر اُڑیسہ میں دعوۃ الحق کی شاخ میں بھیجا گیا، جہاں تقریباً پانچ برس رہے وہاں پھر حیدرآباد کا تقاضا ہوا تو حضرت ناظم صاحبؒ نے دوبارہ مدرسہ فیض العلوم بھیج دیا، بقول مفتی عبیدالرحمٰن صاحب مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی حضرت خود بھی جید حافظ تھے اور جس کو پڑھایا وہ بھی بے مثل حافظ بنا، غالباً اسی لئے حضرت ناظم صاحبؒ درجہ حفظ کا معیار بنانے کے لئے حضرت مولانا کو بطور خاص بھیجا کرتے تھے، پھر ۱۹۸۹ء میں حضرت ناظم صاحب نے مستقل طور پر ہردوئی بلالیا اور نائب ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کی حیثیت سے منتخب کیا اور اپنے پاس ہی رکھ لیا اس طرح صبح ازل تک کے لئے یہ اٹوٹ صحبت مقدر ہوئی، یہاں جان جاں آفریں کے سپرد کردی اور انہی کی آغوش میں آخری مسکن بنالیا اور دعوۃ الحق کی ملک بھر میں سو کے قریب شاخوں کی نگرانی اس کے وسیع وعریض نظامِ تعلیم، اساتذہ کا عزل ونصب وغیرہ مسائل میں حضرت والا ہردوئی کے مضبوط دست وبازو بنے اور آخر تک اس نظام کو اس نہج پر نبھایا، حضرت ہردوئی نہایت درجہ اصولی اور قانونی طبیعت کے حامل تھے، حضرت کا مزاج حددرجہ حساس تھا (جس کو حضرت سے طویل ممارست نہیں وہ اس کیفیت کو شاید سمجھ بھی نہ سکے) کام میں نہایت سبک رفتار وفعال واقع ہوئے تھے کام بھی صاف وشفاف مقررہ اصول وضابطے کے مطابق ہونا ضروری تھا، اس لئے حضرت کی نیابت کا منصب غیر معمولی تیقظ وبیداری کا متقاضی تھا جس کو حضرت سنسارپوری نے باحسن وجوہ نبھایا۔

معلوم رہے کہ اصول وضوابط نیز دفتر انتظام وانصرامِ تعلیم مع تربیت میں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی نیز مرکزی دفتر دعوۃ الحق ہردوئی کا طویل وعریض سلسلہ اپنی مثال آپ ہے، دفتری نظام ہر جگہ چھ گھنٹہ یا آٹھ گھنٹہ رہتا ہے یہاں بعد فجر سے بعد عشاء تک دفتر کھلتا ہے حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی دفتر کی تعطیل نہیں ہوتی البتہ کارکنانِ دفتر کو سال میں اس کے عوض ۵۶ رخصت کا اختیار رہتا ہے۔ غرض حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے ملازمانہ نہیں بلکہ خادمانہ اور والہانہ اس ذمہ داری کو نبھایا اور روح کے قفسِ عنصری سے پرواز کرنے سے دو گھنٹہ قبل بھی باوجود شدید اضمحلال کے دفتر میں حاضر تھے۔

بیعت وسلوک:

اولاً شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور حاضرِ خدمت بھی ہوتے رہے مگر شیخ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد سلسلہ قائم رہنا مشکل ہوگیا تو حضرت

محی السنہؒ سے باضابطہ سلوک وتزکیہ میں رجوع فرمایا، پہلے ہی سے حضرت کی نگرانی اور تربیت جاری تھی، مزید توجہ ارزانی ہوئی ۱۹۹۴ء میں حضرتؒ نے اپنے ساتھ سفرِ حج میں رکھا اور مکہ معظّمہ میں اجازت بیعت عطا فرمائی۔

حضرت سنسارپوریؒ نے اپنے عظیم مرشد کی اتباع کا حق ادا کیا، اپنی رائے اور خواہش کو شیخ کی مرضی میں فنا کردیا مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں سرمو تفاوت ہو، شیخ کی مزاج شناسی اور اتباع میں حضرت نادر مثال تھے، مرشد کی ایک ایک ادا کو، الفاظ کو، انداز کو اور نشست و برخواست کو محفوظ کر رکھا تھا، حضرت والا ہردوئی کو بھی اُن پر اتنا اعتماد تھا کہ آخری سالوں میں سالکین کے خطوط حضرت مولانا ہی سے تحریر کراوتے تھے کبھی ملاحظہ کرکے کبھی اس کے بغیر ہی دستخط فرمادیا کرتے تھے کیوں کہ الفاظ وتعبیر سب شیخ کی ہی رچ بس گئی تھی دیگر انداز واطوار میں محسوس ہوتا تھا کہ

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد

لایعنی باتوں سے مکمل اجتناب، وقت گذاری کے لئے مجلس آرائی کا کوئی سوال نہ تھا، زندگی معمولات کے تابع تھی، فضول گوئی بالکل نہ تھی، طویل گفتگو بھی کرتے تو سوچ کر، ناپ تول کر۔

احقر نے اپنی زندگی میں چند ہی لوگوں کو ایسا پایا جو غیبت سے اہتمام سے بچتے ہوں، انہیں میں حضرت سنسارپوری بھی شدید غصے میں صبر وضبط سے کام لینا، زبان کو قابو میں رکھنا، حد سے تجاوز نہ ہونے دینا غیر معمولی صفت ہے، جس سے حضرت مولانا پورے طور پر بہرور تھے، لعن طعن سب وشتم سے کوسوں دور۔

ایک واقعہ احقر کے سامنے پیش آیا، کہ سمدھاوے والوں نے صلح ومصالحت کے نام پر مجلس منعقد کی، مگر صاحبِ معاملہ دسیوں آدمیوں کو لے کر آدھمکے اور غیر مہذب زبان میں سب وشتم کے الفاظ میں اول فول بکنے لگے، تیز وتند جملے تھے، مگر نہایت درجہ حلم وشرافت سے سنتے رہے پھر بڑے تحمل سے شریفانہ لب ولہجہ میں گویا ہوئے، مگر ادھر سے رویہ اپنی بچ اور ہٹ دھرمی کا تھا، بات کس طرح ختم ہو، شام کو حضرت اپنے رفقاء کے ساتھ پھل وغیرہ کے ہدایا اور تحائف کے ساتھ ان کے گھر تشریف لے گئے اور بغیر کسی ادنیٰ ردعمل کے واپس آگئے اور اس دوران بھی کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، آخر اس صبر وشکیب کے نتیجے میں وہ مسئلہ حل بھی ہوگیا۔

نگاہ نیچی رکھنے کا خاص اہتمام تھا، دفتر میں کتنی ہی بھیڑ ہو اپنے کام سے کام، قدر ضرورت سے زائد نہ بات چیت نہ سروکار، اشرف المدارس ہردوئی کی ایک خصوصیت یہ دیکھی یہاں جملہ کارکنان اور مدرسین اپنے اوقات مدرسہ اور کام کی نگرانی اور احتساب رکھتے ہیں، واردین وصادرین سے بھی واجبی ملاقات، علیک سلیک اور بس، ظاہری خوش اخلاقی کا غلو، رسماً چاء کو پوچھنا، اس پر اصرار کرنا پھر اس میں اپنا ہی نہیں مدرسے کا بھی وقت بے رحمی

سے کھپا دینا مدارس میں ایک رسم بد ہے جس سے اشرف المدارس پاک ہے۔

حضرت اقدس ہردوئی علیہ الرحمہ کی ممتاز صفت یہی تھی انہوں نے ہر ہر پہلو سے برتاؤ اور عمل کیا اور کرایا، متعلقین و کفش برداروں کو خاص طور پر اپنے مدرسے کے عملے کے ہر فرد کے دل میں بھی یہ بات اُتاری، اس ہمہ جہتی اتباع شریعت میں تو حضرت والا ہردوئی کا ثانی پیش کرنا شاید ممکن نہ ہو

خلف الزمان لیأتین بمثلہ حنثت یمینک یا زمان فکفر

حضرت مولانا سنسار پوری بھی شرعی اخلاقی ضوابط کے یگانہ فرد تھے اسی ساقی کے ہاتھوں مدتوں جُرعہ نوشی کی تھی مجال نہ تھی کہ دفتری مفوضہ ذمہ داریوں میں منٹ اور سکنڈ بھی فرق آئے پیرانہ سالی، ضعف و نقاہت بھی ہرگز مانع نہ ہوئی تھی۔ حد یہ ہے کہ جس روز حضرت محی السنہؒ کی رحلت ہوئی، عشاق کی یہ کیفیت تھی کہ

صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالھا

مگر میں نے خود دیکھا حضرت کی تدفین سے فارغ ہو کے سارا مدرسہ تو غم سے نڈھال تھا اور آں موصوف ٹھیک اسی طرح اپنی خاص نشست پر مصروفِ کار ہیں یہ حضرت ہردوئی کی تربیت کا اثر تھا۔ معاش و معیشت میں سادگی غالب تھی، زندگی ہر مرحلہ میں حتی کہ خواندگی امور میں بھی اپنے شیخ و مرشد سے مشورہ کرتے اور حکم بجالاتے یہی مزاج اہلیہ محترمہ اور تمام عیال کا بنایا، اسی فضاء سے مانوس کیا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت علیہ الرحمہ نے حسبِ حکم مرشد جہاں جب جو حکم ہوا یا اشرف المدارس میں جب وقتی ضرورت ہوتی تو تدریس کے لئے مامور کیا، دیگر مقامات جن کا تذکرہ اوپر گذرا کئی برس فرائض انجام دیے جس میں خاصی تعداد میں حفاظ تیار ہوئے اور جیسے خود حضرت جید حافظ تھے اسی معیار کو برقرار رکھنے کی سعی فرمائی تلامذہ میں کچھ مشہور نام یہ ہیں، مفتی عبداللہ صاحب پھولپوریؒ مجاز حضرت ہردوئیؒ، مولانا انعام الحق صاحب کاس گنج مجاز حضرت ہردوئی، مولانا انیس آزاد قاسمی خطیب سعدیہ مسجد سلیم پور دہلی، حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب حیدرآبادی ناظم ادارہ اشرف العلوم، حضرت مفتی محمد عبدالمغنی صاحب حیدرآبادی ناظم مدرسہ سبیل الفلاح۔ سلوک و تصوف میں بھی کیوں کہ محی السنہؒ کے مجاز بااختصاص تھے خاصی تعداد میں لوگوں کا رجوع تھا، متعدد حضرات حضرت ممدوح کے مجاز بیعت ہیں، صباحی و شبینہ اعمال و اوراد کے زبردست پابند تھے، خاص طور پر قرآن کریم کی تلاوت کی بہت کثرت تھی، یومیہ پندرہ سے بیس پارے بھی ہوجاتے تھے، کبھی کبھی ایک بیٹھک میں پورا قرآن سنا دیتے، مسلسل باوضو رہنے کی عادت تھی بلکہ ایک زمانہ میں جیسا کہ اپنے صاحبزادے سے بتایا کہ میں نے برسوں فجر کے وضو سے عشا کی نماز پڑھی ہے۔ معاشیات میں سخت حالات

سے گذرے، صبر کا گھونٹ پیتے رہے مگر استغناء کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا پھر عسر کے بعد یُسر کے حالات بھی ہوئے اہل وعیال کی تمام ذمہ داریوں سے اللہ تعالیٰ نے بحسن وخوبی سبکدوش فرمایا۔

پانچ صاحبزادے ہیں، پانچ ہی صاحبزادیاں ہیں، سب کی ذمہ داری سے سبک دوش ہو چکے تھے، صاحبزادے سب حافظ ہیں، ایک عالم بھی ہیں بالترتیب اسماء یہ ہیں (۱) حافظ محمود حسن سعید (۲) حافظ ابرار جلیل (۳) حافظ انوار خلیل (۴) مولوی مسعود حسن رشید (۵) حافظ انصار جمیل، حافظ انوار خلیل مدرسہ اشرف العلوم سعادت گنج لکھنو میں ہیں، باقی سب اشرف المدارس میں ہیں مولوی رشید صاحب دعوۃ الحق کے مدرس ہیں، حافظ انوار خلیل لکھنے کا بھی ذوق رکھتے ہیں، والد ماجد کے متفرق مضامین جو اشرف الجرائد حیدرآباد میں مختلف زمانوں میں شائع ہوئے ان کو جمع کیا ہے، نیز بزرگوں کے منتخب مختصر ناصحانہ اقوال واقتباس بھی بذریعہ موبائل (واٹس ایپ سے) بھیجتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت حق برادران کو الولد سر لابیہ کا مصداق بنائیں۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے   سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے۔

۲۰/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۹/نومبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات، بوقت تقریباً ۲/بجے دن شہر ہردوئی میں رحلت فرمائی اور زبان حال سے اپنے مرشد کے آغوش میں یہ کہتے ہوئے مدفون ہوئے کہ ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

راہِ حق آخری قسط

مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی رحمہ اللہ

گنگا سے زمزم تک

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مفتاحی کشٹا پوری رحمہ اللہ ریاست تلنگانہ کے مؤقر عالمِ دین، دارالعلوم حیدرآباد اور مدرسہ فیض القرآن کشٹا پور کے مایہ ناز مدرس اور ناظم تھے، اُن کا خاندانی پس منظر اور اس کی تفصیلات خود حضرت مولانا رحمہ اللہ نے املا کروادی تھی، مولانا عرفات اعجاز اعظمی صاحب نے اس کو مرتب اور مہذب کر دیا ہے، بڑی دلچسپ روداد اور عبرت خیز داستان ہے، افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ از مرتب غفرلہٗ

فیض القرآن بہت دنوں تک والد صاحب کے دیے ہوئے مکان میں چلتا رہا، اس مکان سے لگ کر والد صاحب کی ایک ایکڑ زمین تھی جو انھوں نے مدرسہ کے لئے وقف کردی تھی۔ اس کے بغل میں ہمارے چچا کی زمین تھی۔ چچا نے پیش کش کی کہ 'مدرسہ سے متصل جو زمین ہے اس میں میں کھیتی کرتا نہیں، تم لوگ اس کو خرید لو'۔ اس وقت ایک ایکڑ زمین کی قیمت آٹھ ہزار روپے تھی۔ چچا نے چوبیس ہزار کی مانگ کی، اس سے کم پر راضی نہیں ہوئے۔ موقع کی زمین تھی، اس کو چھوڑنا بھی غیر مناسب معلوم ہو رہا تھا۔ ہم لوگوں نے ہمت کرکے چندہ کرنا شروع کیا اور پچیس ہزار جمع کرکے زمین رجسٹری کرالی۔ چچا کی زمین سے لگ کر اُس ساہوکار کے بیٹے کی زمین تھی جس کا قرض چکانے کے لیے والد صاحب اپنا مکان اور زمین دی تھی۔ اب ان کی ساہوکاری دم توڑ چکی تھی اور قریب قلاش ہو گئے تھے۔ اس نے زمین فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، ۳۵/ ہزار دے کر اس کی زمین بھی لے لی گئی۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اللہ کے لال جو مدرسے کے بنیادی معاونین میں سے ہیں، جن کا اصل نام رفیع الدین ہے، انھوں نے کہا کہ 'میں اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے مدرسہ کو ایک زمین دینا چاہتا ہوں'۔ ہم لوگوں نے کہا 'بہت خوشی کی بات ہے'۔ انھوں نے ساڑھے چھ ایکڑ زمین دی۔

رفیع الدین صاحب کی زمین اور مدرسہ کی خریدی ہوئی زمین کے درمیان میں گاؤں کی ایک بڑھیا کی زمین تھی، ہم لوگوں نے اس سے بات کی تو وہ کسی قیمت پر دینے کے لیے راضی نہیں ہوئی۔ اللہ سے دعا کی گئی اور تدبیر کی گئی، وہ بڑھیا بھی تیار ہو گئی، مگر بہت گراں قیمت پر تیار ہوئی۔ اس وقت ۳۰-۳۵/ ہزار ایکڑ زمین تھی

اس نے ایک ایکڑ ۹۵ ہزار میں دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج مدرسہ کی ملکیت میں پونے گیارہ ایکڑ زمین ہے، جس میں طلبہ کی رہائش کے لیے دارالاقامہ، تعلیم کے لیے درس گاہ اور مسجد کی تعمیر کا کام چل رہا ہے۔ لڑکیوں کا مدرسہ جو ابھی تک عارضی عمارت میں تھا، اس کی مستقل عمارت کا کام بھی چل رہا ہے۔

ہمارے علاقے میں عصری تعلیم کے لیے تین کالج ہیں جن میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے تعلیم حاصل کرتے ہیں، مسلمان بچوں کی ایک بڑی تعداد اس میں تعلیم حاصل کررہی ہے۔ دیکھا یہ جارہا ہے کہ دینی تعلیم کے بجائے عصری تعلیم کی طرف خود مسلمانوں کا رجحان بڑھ رہا ہے، جس کی وجہ سے نئی عمر کے بچوں میں بے دینی بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ پرگی حلقہ میں اس کے سد باب کے لیے ذمہ داروں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ مدرسہ کی ایک عمارت ان کالجوں کے بغل میں بنائی جائے، جس میں کالج کے طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام ہو، اس کے علاوہ ان کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہو۔ کرایہ کے نام پر ان سے معمولی رقم لی جائے جس کو نادار طلبہ بھی بغیر کسی بار کے ادا کرسکیں، کالج کے اوقات میں یہ اپنے کالجوں میں پڑھیں، اس کے علاوہ دیگر اوقات میں جو ان کی تعلیم سے خالی ہوں، گھنٹہ دو گھنٹہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کریں۔ اور ان کی درست اسلامی تربیت کے لیے ایک نگراں مقرر کیا جائے جو ان کو نماز کے اوقات میں نماز کے لیے لے جائے اور غیر شرعی کاموں پر دارو گیر کرے۔

اس کے ساتھ خود ان کی تعلیمی ترقی کے لیے ایسے ٹیوٹرس متعین کیے جائیں جو ان کو خاص خاص مضامین......جس میں مسلم طلبہ عموماً پیچھے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی آگے کی ترقی متأثر ہوجاتی ہے......کو خارجی اوقات میں خواہش مند طلبہ کو پڑھائیں، تاکہ وہ اپنے اسکول یا کالج میں معیاری نمبر سے کامیاب ہوسکیں اور اپنے دنیاوی مقاصد حاصل کرسکیں۔

اسی طرح دیہات میں ایسے مراکز قائم کیے جائیں جس میں بستی کی مسلم لڑکیوں کے لیے بنیادی دینی تعلیم کا نظم ہو، اسی کے ساتھ گھریلو صنعات: سینا، پرونا، کڑھائی اور دیگر دستکاری سکھلائی جائے، تاکہ ان میں نماز روزہ اور تلاوت کا شعور بیدار ہو اور آئندہ کی زندگی میں امور خانہ داری کو مکمل اور بہتر طریقہ سے سنبھال سکیں۔

اسی طرح دیہات کے بچے جو اپنی گھریلو معاشی تنگی کی وجہ سے کم عمری ہی میں کھیتی باڑی میں لگ جاتے ہیں اور ان کو کسی دینی ادارے یا سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا، ان کے لیے بھی ہر گاؤں میں ایک چھوٹا سا مرکز قائم کیا جائے جس میں صبح شام ایک ایک گھنٹہ ان کی تعلیم ہو اور ان کے لیے چھوٹی موٹی صنعت سیکھنے کا بھی انتظام کیا جائے، تاکہ وہ بالکل بے ہنر اور تعلیم سے کورے نہ رہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

فقہ وفتاویٰ

قربانی سے متعلق چند احکام

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

مرحوم کی طرف سے قربانی کرنے سے واجب قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟

سوال: اگر کوئی اپنے مرحوم کی طرف سے قربانی کرے تو کیا خود اس سے واجب قربانی ساقط ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر کسی نے قربانی اپنی جانب سے کی اور والد صاحب مرحوم کو اس کا ثواب پہونچانے کی نیت کی تب تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہوگا، لیکن اگر قربانی والد مرحوم کی جانب سے کر رہا ہے، ثواب پہونچانے کی نیت نہیں ہے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط نہ ہوگا، واجب کی ادائیگی کے لئے دوسرے جانور کی قربانی ضروری ہے، ورنہ یہ واجب کا چھوڑنے والا ہو کر گنہگار رہو گا۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ج22/274)

قربانی کے جانور میں عقیقہ کی نیت سے شرکت

سوال: اگر کوئی قربانی کے سات حصوں میں سے ایک حصہ عقیقہ کی نیت سے خریدے تو کیا اس طرح شریک ہونا درست ہے؟

جواب: قربانی کے جانور میں چھ حصے قربانی کے اور ایک حصہ عقیقہ کا رکھنا درست ہے۔

(فتاویٰ قاسمیہ:22/251)

وہ عیب جو قربانی کے وقت پیدا ہو جائے

سوال: عیب دار جانور کی قربانی تو درست نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ قربانی کا جانور گراتے وقت اس کا پیر ٹوٹ جائے، تو کیا اس کی قربانی درست ہے؟

جواب: قربانی کے لئے گراتے وقت اگر جانور میں عیب پیدا ہو جائے تو یہ عیب قربانی کے صحیح ہونے کے لئے مانع نہیں، لہٰذا جس جانور کی ٹانگ گراتے وقت ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی بالکل درست ہے۔

(فتاویٰ قاسمیہ:22/436)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کونسا عیب مانع قربانی ہے؟

سوال: وہ کونسا عیب ہے جس سے قربانی درست نہیں ہوتی ہے؟

جواب: وہ عیب جس سے قربانی درست نہیں ہوتی اس سے ایسا عیب مراد ہے جو فطری طور پر نہ ہو بعد میں کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو۔ (فتاویٰ قاسمیہ:397/22)

سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی

سوال: سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس کی سینگ کا کچھ حصہ اوپر سے ٹوٹ گیا، یا اس کا خول اتر گیا، تو اس کی قربانی درست ہے، لیکن اس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا، بعد میں اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو پھر اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل 439/5)

چرم قربانی کا مصرف کیا ہے؟

سوال: چرم قربانی کا مصرف کیا ہے؟

جواب: چرم قربانی کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے، جیسے گوشت کو خود کھانا اور دوسرے کو کھلانا جائز ہے، اسی طرح چرم قربانی بھی خود قربانی کرنے والے کا استعمال کرنا یا کسی کو بعینہ دیدینا دونوں جائز ہے۔

(مستفاد از: فتاویٰ رحیمیہ:167/6)

مذبوحہ جانور کو ٹھنڈا ہونے تک چھوڑے رکھنے کا حکم

سوال: قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد کتنی دیر تک خون نکلنے کے لئے چھوڑنا چاہیئے؟

جواب: جانور ذبح کرنے کے بعد اتنی دیر تک چھوڑ دیا جائے کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے اور حرکت بند ہو جائے، ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنا اور صاف کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ قاسمیہ:129/22)

ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے بچہ نکلے تو کیا کرے؟

سوال: ذبح کرنے کے بعد جانور کے پیٹ سے بچہ نکلا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ذبح کرنے کے بعد اگر جانور کے پیٹ سے بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے اور اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر بچہ مردہ نکلے تو ذبح کیے بغیر اس کو پھینک دیں۔ (مستفاد از: فتاویٰ قاسمیہ 130/22)